یہ تیرے بندے
میاں مشتاق احمد عظیمی
مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور

Marfat.com

Marfat.com

یہ تیرے بندے

میاں مشتاق احمد عظیمیؒ

مکتبہ عظیمیہ

اُردو بازار لاہور

فون:37243541

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	یہ تیرے بندے
مصنف	میاں مشتاق احمد عظیمی
ناشر	مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار لاہور
مطبع	خام پریس لاہور
کمپوزر	فہیم سلطان/ تاج کمپوزنگ سنٹر
باا ہتمام	محترمہ سلمیٰ مشتاق عظیمی
قیمت	140/- روپے
سن اشاعت	27 جنوری 2010

برائے رابطہ: 158 مین بازار مزنگ لاہور

فون نمبر 37243541

Marfat.com

انتساب!

دور حاضر کے روحانی بزرگ

اور میرے مرشد کریم

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

کے نام

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	تفصیل	صفحہ نمبر
-1	حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ	13
	ابتدائی حالات	13
	روح پرور واقعات	18
	روحانی توجیہہ	21
	وفات	24
	اقوال وارشادات	24
-2	حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ	25
	ابتدائی حالات	25
	روح پرور واقعات	27
	روحانی توجیہہ	32
	اقوال وارشادات	36
-3	حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ	37
	ابتدائی حالات	37
	روح پرور واقعات	40
	روحانی توجیہہ	42
	وفات	44
	اقوال وارشادات	44

Marfat.com

-4	حضرت امام رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	45
	ابتدائی حالات	45
	روح پرور واقعات	51
	روحانی توجیہہ	54
	وفات	54
	اقوال وارشادات	57
-5	حضرت امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	58
	ابتدائی حالات	58
	روح پرور واقعات	59
	روحانی توجیہہ	60
	وفات	60
	اقوال وارشادات	60
-6	حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	74
	ابتدائی حالات	74
	روح پرور واقعات	77
	روحانی توجیہہ	79
	وفات	87
	اقوال وارشادات	87
-7	حضرت شاہ رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ	88
	ابتدائی حالات	88
	روح پرور واقعات	88
	روحانی توجیہہ	94
	وفات	99
	اقوال وارشادات	100

Marfat.com

101	حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمتہ اللہ علیہ	-8
101	ابتدائی حالات	
102	روح پرور واقعات	
106	روحانی توجیہہ	
110	وفات	
111	اقوال وارشادات	
112	حضرت خواجہ نور محمد مہدی رحمتہ اللہ علیہ	-9
112	ابتدائی حالات	
113	روح پرور واقعات	
115	روحانی توجیہہ	
119	وفات	
119	اقوال وارشادات	
120	حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ	-10
120	ابتدائی حالات	
123	روح پرور واقعات	
126	روحانی توجیہہ	
129	وفات	
130	اقوال وارشادات	
131	حضرت سچل سرمست رحمتہ اللہ علیہ	-11
131	ابتدائی حالات	
134	روح پرور واقعات	
137	روحانی توجیہہ	
139	وفات	
139	اقوال وارشادات	

Marfat.com

-12	حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمتہ اللہ علیہ	140
	ابتدائی حالات	140
	روح پرور واقعات	141
	روحانی توجیہہ	147
	وفات	152
	اقوال وارشادات	152
-13	حضرت فقیر نور احمد چنیوٹی رحمتہ اللہ علیہ	153
	ابتدائی حالات	153
	روح پرور واقعات	154
	وفات	170
	اقوال وارشادات	170
-14	حضرت میاں محمد بخش قادری رحمتہ اللہ علیہ	171
	ابتدائی حالات	171
	روح پرور واقعات	173
	روحانی توجیہہ	175
	وفات	181
	اقوال وارشادات	181
-15	حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ	182
	ابتدائی حالات	182
	روح پرور واقعات	185
	روحانی توجیہہ	188
	وفات	193
	اقوال وارشادات	193

Marfat.com

-16	حضرت نور محمد کلاچوہی رحمتہ اللہ علیہ	195
	ابتدائی حالات	195
	روح پرور واقعات	196
	روحانی توجیہہ	202
	وفات	206
	اقوال وارشادات	206
-17	حضرت قمر الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ	207
	ابتدائی حالات	207
	روح پرور واقعات	208
	روحانی توجیہہ	210
	وفات	215
	اقوال وارشادات	216
-18	حضرت مخدوم حسام الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ	217
	ابتدائی حالات	217
	روح پرور واقعات	221
	روحانی توجیہہ	225
	وفات	235
	اقوال وارشادات	235

Marfat.com

کچھ عرض ہے

یاران طریقت اور اللہ کے دوست کے بعد ایک نئی کتاب ''یہ تیرے بندے'' آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف پھر ہو رہا ہے۔ اس میں اُن بزرگوں اور اولیاء اللہ کے حالات درج کر کے اُن کے اقوال اور ارشادات کو اپنے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی روحانی توجیہہ میں تلاش کر کے آپ کی خدمت میں پیش کی ہے۔

میرے مرشد کریم فرماتے ہیں کہ بزرگوں اور اولیاء اللہ نے اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کرنے اور اُن سے کام لینے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں کتاب کا علم آتا ہو اور علم کتاب کے وہ فارمولے ہمارے اوپر منکشف ہوں جن کے اوپر یہ ساری کائنات ٹھہری ہوتی ہے۔ جب تک یہ علم حاصل نہیں ہوتا آدمی ادباء کے انبار میں دبا رہے گا۔ مٹی کا خول آدم زاد کا وہ ورثہ ہے جس کے دوش پر یہ حسرت و یاس ہمارے جدا امجد آدم جنت (اعلیٰ مقام) اسفل (زمین) پر پھینک دیئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات محبت کے ساتھ پیدا کی ہے۔ تخلیق کائنات کے فارمولوں پر تفکر کیا جائے تو زندگی کا ہر شعبہ محبت اور خلوص کا پیکر نظر آتا ہے۔

جس معاشرے میں محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ معاشرہ ہمیشہ پرسکون رہتا ہے اور جس معاشرے میں بیگانگی اور نفرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اس معاشرے کے افراد ذہنی فانفشار اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہتے ہیں خوف زدہ زندگی سے باہر آجایئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ غم خوف اور غم ہونا دزخ ہے اور اس

Marfat.com

سے نجات پالینا جنت ہے۔

یہ اولیاء اللہ ایسے پاکیزہ نفس لوگ ہیں۔ جن کے ذکر پر آج بھی پیشانیاں عقیدت و محبت کے جذبات سے جھک جاتی ہیں۔ جب تک یہ لوگ عوام میں موجود تھے پریشانی قلوب اور سکون کے طلب گار اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جب پس پردہ چلے گئے۔ تب بھی اُن کا تشخص لوگوں کے سامنے موجود ہے اس لئے کہ انہوں نے ذاتی اغراض و مقاصد اور خود پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا۔ مایا جال ان کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکا۔ ان سعید روحوں نے یہ راز جان لیا تھا کہ خود سے گزرے بغیر خدا نہیں مل سکتا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرشد کریم کی طرز فکر عطا فرمائے اور تمام عالمین میں اُن کا ساتھ نصیب ہو (آمین)

ہکو سخن نہ ہور تمامی جو نعمت میں پائی
اوہ مرد سچے دا صدقہ اپنی نہیں کمائی
خشمش جنا قدر نہ تیرا تے میرے مرشد نوں وڈیایاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سایاں

میاں مشتاق احمد عظیمی
روحانی فرزند
حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

تاریخ 27 جنوری 2010

مراقبہ ہال 158 مین بازار مزنگ لاہور
فون 37243541

Marfat.com

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

ولادت ۸۰ھ

وفات ۱۵۰ھ

عمر عزیز ۷۰ سال

ابتدائی حالات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں ایران سے ایک شخص زوطی نامی اپنے آباؤ اجداد کے آتش کدہ کو بجھا کر اپنے دل و دماغ سے اسلام کی روشنی لے کر عراق میں آیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُن کے جذبہ ایثار کی قدر کرتے ہوئے اپنی قربت بخشی اور بہت عزت دی۔ ۳۸ھ میں زوطی کو اولاد نرینہ سے نواز جس کا نام ثابت رکھا گیا۔ جب یہ بچہ 2 سال کا ہوا تو زوطی اپنے بیٹے کو لے کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ نے اپنے دست شفقت سر پر رکھ کر یہ دعائیہ کلمات ادا کئے۔ اے اللہ یہ تیرا ہی کرم تھا کہ گمراہ انسانوں نے ہدایت پائی اور تیری دستگیری سے زوطی کو آتش پرستوں کے ہجوم سے نکالا اور ایمان کے دشوار گزار اور کٹھن راستوں پر استقامت بخشی۔ زوطی تیرے بندے علی ابن ابی طالب سے حسن ظن رکھتا ہے۔ اور علی ابی طالب کو تیری بے پناہ رحم پر یقین ہے کہ تو اپنے در کے گداؤں کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹائے گا۔ اے ازل و ابد کے مالک زوطی کی نسل کو دونوں جہانوں میں سرخرو فرما (آمین)

پیدائش

۸۰ھ میں اللہ تعالیٰ نے ثابت کے ہاں فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی۔

Marfat.com

ثابت نے بچے کو دیکھا اور بچے کی کشادہ پیشانی اور چہرے پر عجیب چمک بھی دیکھی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور اپنے بیٹے کا نام نعمان بن ثابت رکھا۔

حلقہ تدریس

جب نعمان کی عمر 3 سال ہوئی تو ثابت کو انہوں نے اُس وقت کے مشہور قاری حضرت عاصم کے پاس گئے اور اُنہوں نے نعمان بن ثابت کو اپنے حلقہ تدریس میں لے لیا۔ حضرت قاری عاصمؒ کا شمار اُن سات بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قرات کلام الٰہی میں بہت کمال حاصل کیا۔ حضرت عاصم نعمان بن ثابت کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ بچہ تو ایسا ہے کہ جدھر سے گزرے گا۔ درس گاہیں خود ہی پکاریں گی۔ اساتذہ خود آوازیں دیں گے کہ اے علم کے وارث ہماری طرف آؤ اور اپنی امانت حاصل کرلو۔ حضرت عاصم کے اس اعزاز نے حضرت ثابتؒ کے یقین کو مزید پختہ کردیا کہ حضرت علی کی دعائیں رنگ لائیں ۔ حضرت نعمان بن ثابت نے کم سنی میں ہی نہ صرف قرآن پاک حفظ کرلیا بلکہ آداب قرائت سے بھی واقف ہوگئے۔

حج کے لیے روانگی

حضرت نعمان بن ثابت خود فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ ۹۶ھ میں حج ادا کیا۔ اس وقت میری عمر ۱۶ سال تھی۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک بڑا حلقہ دیکھا۔ اس وقت میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ حلقہ کن لوگوں کا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حلقہ صحابی عبد اللہ بن حارث کا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن حارث کو یہ کہتے سنا کہ نبی کریم حضرت پاک محمد ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دین کا فقہ حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کا ذمے دار ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق ملے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔ اس سے یہ بات

Marfat.com

سامنے آتی ہے کہ حضرت نعمان بن ثابت بعض صحابہ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور تالیف کا شرف بھی حاصل ہوا پھر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے نظام حکومت سنبھالی اور وہ تمام بدعنوانیاں اور بدعات کا خاتمہ کر کے احیائے علوم کی ابتداء کی۔ عشرت کدے بند ہو گئے اور علمی درسگاہیں کھل گئیں۔ علماء کا وقار بلند ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدعزیزؒ نے حضرت امام زہدیؒ کو حکم دیا کہ وہ احادیث کا مجموعہ تیار کریں۔

زمانے کے بڑے تاجر

اس وقت حضرت نعمان بن ثابت کی عمر انیس سال تھی اور آپ اُس زمانے کے بہت بڑے تاجر تھے اور آپ خبز تیار کرتے تھے اور خبز کی نایاب قسم صرف آپ کی دوکان سے ملتی تھی۔ ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے کہ ایک دن آپ کوفہ کے بازار سے گذر رہے تھے کہ راستے میں امام شعبی کا مکان تھا۔ امام شعبی وہ بزرگ تھے جنہوں نے پانچ سو صحابہ اکرام کی زیارت کی اور بہت سی احادیث کی روایت آپ سے ملتی ہے۔ آپ کی عظمت کی مثال یہ ہے کہ حضرت امام زہدیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت چار عالم مشہور ہیں۔ مدینہ منورہ میں ابن حبیبؒ بصرے میں حضرت خواجہ حسن بصری، شام میں حضرل ملحولؒ اور کوفے میں حضرت امام شعبی ہیں۔

حضرت امام شعبی سے ملاقات

حضرت امام شعبی نے نعمان بن ثابت کو دیکھا تو فرمایا کہ فرزند ادھر آؤ۔ حضرت نعمان بن ثابت نہایت ادب اور احترام سے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے حضرت امام شعبی نے پوچھا کہ نوجوان آج کل کہاں جا رہے ہو۔ حضرت نعمان بن ثابت نے جواب دیا کہ میں ایک کاروباری سلسلے میں ایک شخص کو ملنے جا رہا ہوں۔ حضرت امام شعبیؒ نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری مراد کسی کاروباری کام سے نہیں، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کس عالم کی مجلس درس میں جاتے ہو۔ نعمان

Marfat.com

بن ثابت نے فرمایا کہ میرا کسی مجلس درس سے کوئی تعلق نہیں اس جواب نے امام شبعی کو چونکا دیا اور وہ گھبرا کر بولے کہ تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ تم کون ہو اور اس دنیا میں کس کام کے لیے آئے ہو تمہاری عمر کیسی رائیگاں گذر رہی ہے۔ زندگی کی حیثیت کا فائدہ اٹھاؤ اور جو کچھ تمہارے اندر موجود ہے اسے عالم اسباب میں تلاش کرو تجارتی امور سے فرصت ملے تو علما کی صحبتوں میں بیٹھا کرو۔ ان الفاظ نے حضرت نعمان بن ثابت کی اندر کی دنیا کو پتہ و بالا کردیا اور آپ تجارتی سامان کے ساتھ ساتھ علم کی جستجو میں مصروف ہوگئے۔

امام حماد بن ابی سلیمان کی درسگاہ میں داخلہ

آپ امام حماد بن ابی سلمان کی درسگاہ میں داخل ہوگئے۔ اور پھر اپنی زندگی فقہ کے نام کردی اور نہ صرف علم الکلام سکھا بلکہ آپ نے اس میں دسترس حاصل کی اور بصرہ میں پہنچ کر ماہرین علم الکلام کے ساتھ مناظرے بھی کرتے رہے۔ علم الکلام کے ماہرین فلسفے کی زبان میں گفتگو کرتے اور قرآنی احکام کو عقل کی روشنی میں اس طرح پرکھتے کہ عام لوگوں کے ذہن الجھ جاتے اور عقائد کی روشن آگ بجھ جاتی۔ پھر آپ نے مناظرے اور علم الکلام کا راستہ چھوڑ کر اپنا رخ اسلاف کی طرف موڑ دیا۔ اور آپ علم فقہ کی طرف متوجہ ہونے کی ایک روایت رحؒ کے بیان کی ہے۔ جو آپ کے شاگرد تھے میں علم الکلام پڑھتا بھی تھا اور پڑھاتا بھی تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس میں بہت شدت حاصل کرلی ایک روز ایک عورت نے طلاق کے بارے میں مجھ سے فتویٰ پوچھا کہ میں جواب نہ دے سکا اور اسے امام حمادؒ کے پاس بھیج دیا۔ جب اس عورت نے واپسی پر امام حمادؒ کا فتویٰ سنایا تو مجھے اپنی عاجزی اور ناکامی پر بہت دکھ ہوا۔ پھر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب مجھے علم الکلام کی ضرورت نہیں اتنا کہہ کر میں نے اپنے جوتے اٹھائے اور حضرت امام حمادؒ کی درسگاہ میں داخل ہوگیا۔

Marfat.com

امام حمادؒ کا تعلق کوفہ کے امیر و کبیر خاندان سے تھا مگر ان کو دولت سے کوئی رغبت نہ تھی۔ آپ نے حضرت ابراہیم نخعی کے شاگرد تھے۔ جب آپ نے روز مجلس درس میں داخل ہوئے تو آخری نشستوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ نعمان بن ثابت نے اپنے منفرد اور مودبانہ انداز نشست کے ساتھ مجلس میں حاضر ہوتے رہے۔ مگر امام حمادؒ کوئی سوال کرتے تو بہت ہی عاجزی اور انکساری کے ساتھ سر جھکا کر جواب دیتے تو حاضرین مجلس آپ کی حاضر جوابی اور ذہن کی رسائی پر چونک جاتے تھے۔ پھر وہ دن آیا گیا جب حضرت امام حماد نے سر مجلس پکار کر کہا کہ نعمان تمہاری جگہ وہ نہیں بلکہ تم اگلی صف میں میرے روبرو بیٹھا کرو۔ حضرت نعمان بن ثابت نے بھی دنیا کی تمام آسائشوں کو بالائے طاق رکھ کر حضرت حماد کے سامنے دست بستہ بیٹھنے کو ترجیح دی۔ نعمان بن ثابت صاحب ادراک بھی تھے اور صاحب دل بھی۔ آنکھ مشاہدہ کرتی تو ذہن اس اسرار کو سمجھ لیتا۔ علم کی تقسیم کا ایک سلسلہ ہوتا ہے کہ علم کا یہ ترکہ ایک ہستی سے دوسری ہستی کو قدرت منتقل کرتی ہے۔ یہ علم کی دولت حضرت ابراہیم نخعی سے حضرت حمادؒ کو اور پھر حضرت حمادؒ سے نعمان بن ثابت کو منتقل ہو گیا۔

ابو حنیفہ کی کنیت

یہی وہ زمانہ تھا جب نعمان بن ثابت نے ابو حنیفہ کی کنیت اختیار کی۔ اس سلسلہ میں بے شمار روایات بیان کی جاتی ہیں۔ نفیس نے لکھا ہے کہ آپ کی بیٹی کا نام حنیفہ تھا جس کی ذہانت سے متاثر ہو کر آپ نے ابو حنیفہ کی کنیت اختیار کی مگر کچھ تاریخ دان یہ کہتے ہیں کہ امام نعمان بن ثابت کا صرف ایک صاحبزادہ تھا۔ اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ نفیس لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی ایک آیت سے آپ نے اپنی کنیت اخذ کی تھی ایک واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے، امام حضرت حماد بھی آپ کو ابو حنیفہ کے نام سے پکارتے تھے واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حماد کو اپنی مسند فقہ چھوڑ کر کوفہ سے باہر جانا پڑا۔ سفر طویل تھا۔ اس لئے آپ کافی دنوں کے بعد کوفہ تشریف لائے تو

Marfat.com

حماد کے صاحبزادے اسمٰعیل صاحب آپ کے پاس تشریف لائے اور سفر کی حالت اختصار سے سنا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اسمٰعیل صاحب نے آپ سے پوچھا اس سفر میں آپ کو اہل کوفہ بھی یاد آئے ہوں گے امام حماد نے جواب دیا۔ کیوں نہیں میں اپنے اہل شہر کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔

پھر اسماعیل صاحب، نے بڑا نازک سے سوال کیا اہل کوفہ میں سب سے زیادہ کون آپ کو یاد آتا تھا۔ اسماعیل نے اپنے باپ سے بڑا نازک سا سوال کیا۔ ہر بیٹا اپنے باپ سے اس طرح چاہے جانے کی خواہش کرتا ہے کہ اس کی محبت کسی ہوگئی جب حضرت امام حماد نے بتایا کہ ابو حنیفہ بت یاد آتے تھے۔ اسماعیل نے شدید حسرت کے عالم میں اپنے والد گرامی کے چہرے کو دیکھا اس واقعہ سے دو باتیں سامنے آتی ہیں ۔ پہلی یہ کہ حضرت حماد کو ابو حنیفہ یا نعمان بن ثابت بہت عزیز تھے۔ دوسری بات یہ کہ امام حماد کی زندگی میں ہی نعمان کو ابو حنیفہ پکارا جانے لگا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ کوفہ کے لوگ بھی آپ کا خاندانی نام بھلا کر آپ کو ابو حنیفہ پکارنے لگے۔

ابو حنیفہ اور نعمان دونوں ناموں میں بڑی وسعت اور معنویت ہے۔ ابو حنیفہ کا مفہوم ہے کہ صاحب ملت حنیفہ یعنی باطل مذہبوں سے گریز کرے دین حق کو اختیار کرنے والا اور یہ نقطہ حنیف حضرت ابراہیم کے نام سے منسوب ہے۔ نعمان لغت میں اس خون کو کہتے ہیں جس پر تمام بدن کا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور جس کے ذریعے ایک ایک عضو حرکت کرتا ہے اور زندگی پاتا ہے نعمانسرخ اور خوشبودار گھاس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

روح پرور واقعات

ایک دفعہ حضرت امام حماد کسی سفر پر روانہ ہوئے تو ابو حنیفہ کے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ آپ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور تیار ہوگئے۔ آپ کے ساتھ بہت سے دوسرے فقہاء بھی تھے۔ راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ امام حماد نے تمام

Marfat.com

دوستوں کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ کچھ لوگ پانی میسر نہ ہونے کا عذر پیش کیا۔امام حماد نے فتویٰ دیا اگر پانی میسر نہیں ہے تو تیمّم کر کے نماز ادا کی جاسکتی ہے۔تمام لوگوں نے تیمّم کر کے نماز ادا کرلی مگر امام ابوحنیفہ نے نماز ادا نہ کی۔امام حماد نے آپ سے پوچھا کہ نماز کیوں ادا نہیں کی تو آپ نے نہایت ادب سے عرض کیا۔ یا حضرت میں نماز تو ادا کرنا چاہتا تھا ہوں مگر وضو کے لیے پانی میسر نہیں ہے۔

امام حماد نے فرمایا میں نے اور سب لوگوں نے تیمّم کر کے نماز ادا کرلی ہے پھر تم کو کیا عذر ہے۔امام ابوحنیفہ نے عرض کیا میں آپ کے فکری اجتہاد سے ہرگز ہرگز گریز نہیں کرسکتا۔مگر میرے خیال میں یہ بات زیادہ قرین از قیاس ہے کہ پانی ملنے کی امید پر نماز موخر کرلی جائے۔امام ابوحنیفہ کا جواب سن کر امام حماد کچھ نہ بولے اور سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ بھی لوگوں کے جذبوں سے باخبر تھے مگر وہ کوئی تاثر دیئے بغیر نہایت سعادت مندی سے استاد گرامی کے پیچھے چلتے رہے۔تھوڑی دور جا کر ایک مقام پر اتفاق سے پانی نظر آ گیا تو امام ابوحنیفہ نے وضو کیا اور نماز ادا کرلی۔ جب آپ نماز ادا کر رہے تھے تو امام حماد انتہائی ستائش نظروں سے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی امام ابوحنیفہ نے نماز ختم کی تو حضرت امام حماد نے فرمایا کہ ابو حنیفہ تمہارا اجتہاد و قابل ستائش ہے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر سفر کے دوران ایسی صورت حال پیش آجائے تو امام ابوحنیفہ کا موقف اختیار کرنا چاہئے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کاروبار میں ایمان دار دیانت دار تھے اور وہ تجارت کے معاملات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت آپ کی دوکان پر تشریف لائی اس کے پاس ایک ریشمی تھان تھا۔اور وہ اس ریشمی تھان کو فروخت کرنا چاہتی تھی۔ امام ابوحنیفہ نے اُس عورت سے اس کی قیمت پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں اس تھان کو سو درم میں

Marfat.com

فروخت کرنا چاہتی جب امام ابو حنیفہ نے اُس تھان اور ریشمی کپڑے کو دیکھا تو خیال کیا یہ کپڑے سو درم سے زیادہ کا ہے۔ آپ نے اُس عورت سے کہا کہ یہ تھان سو سے کہیں زیادہ کا ہے۔ اُس عورت نے سو درم اور بڑھا دیئے اسطرح دام بڑھتے بڑھتے چارسو درھم تک جا پہنچے پھر امام ابو حنیفہ نے کہا یہ تھان چارسو درم سے بھی زیادہ ہے۔ یہ جواب سن کر وہ عورت غصہ میں آگئی اور کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ آپ نے اُس عورت سے کہا کہ کسی دوسرے دوکاندار سے اُس کی قیمت لگواتے ہیں۔ پھر ایک ساتھ والے دوکاندار آیا اور اُس نے اُس تھان کی قیمت پانچ سو درھم میں لگائی اور خرید کر لے گیا۔ اس واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام ابو حنیفہ اپنے نفع کے ساتھ دوسروں کے نقصان کا بھی خیال رکھتے تھے اور اُن کے ذہن میں تھا کہ کسی کو نقصان نہ دیا جائے۔

ایک اور واقعہ زیر تحریر ہے کہ آپ کا ایک دوست آپ کی دوکان پر آیا اور ایک خاص رنگ کے کپڑے کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے دوست سے کہا کہ کچھ دن بعد وہ کپڑا آئے گا تو لے جانا۔ یا میں تمہارے لیے اُس رنگ کا کپڑا خرید کر رکھ لوں گا۔ پھر ایک ہفتہ کے بعد وہ کپڑا اُسی رنگ کا آیا اور امام ابو حنیفہ نے خرید کر رکھ لیا۔ جب کچھ دنوں کے بعد اُن کے دوست آئے تو اُس کو پیش کر دیا۔ دوست نے اُس کی قیمت کے متعلق پوچھا تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ایک درہم۔ آپ کے دوست نے کہا کہ آپ میرا کیوں مذاق اڑا رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے بیس اشرفی اور ایک درہم میں دو کپڑے خرید تھے۔ ان میں سے ایک کپڑا بیس اشرفی کا فروخت کر چکا ہوں اس لیے یہ ایک ہی درہم میں میرے پاس رہ گیا۔ سو وہی تم کو بتا دیا ہے۔ وہ مجھے دے دو اور اپنا کپڑا لے جاؤ۔

Marfat.com

ایک اور واقعہ جو خیرات الحسان میں درج ہے۔ کہ ایک آدمی بوسدہ لباس میں آپ کی محفل میں آیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ جب محفل ختم ہوئی تو آپ نے اس شخص سے کہا آپ ذرا رک جائیں جب وہ شخص اکیلا رہ گیا تو آپ نے فرمایا کہ جائے نماز کو اٹھاؤ اور جو رقم اس کے نیچے پڑی ہے۔ اس شخص نے جائے نماز اٹھائی تو دیکھا اس کے نیچے ایک ہزار درہم رکھے ہوئے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے اُسے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اپنی حالت بہتر بناؤ۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے ایک خوش حال انسان ہوں اور اللہ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے بہت کچھ دیا ہوا ہے۔ مجھے ان درہموں کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر امام ابُو حنیفہ نے فرمایا کہ تم نے حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس نعمتوں کا اثر بندے پر نظر آئے۔ پس تمہیں چاہئے کہ تم اپنی حالت کو سنوار کر رکھو تا کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے دوست کو صدمہ نہ ہو۔

روحانی توجیہ

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کو فقہی علم جاننا ضروری ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین صاحب فقہی علم کیا ہیں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ علم حاصل کرنا ہر عورت اور مرد پر فرض ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اگر تم کو چین میں علم ملے تو چین میں جا کر حاصل کرو دینی علم ہو یا دنیوی علم دونوں کا سیکھنا ضروری ہے۔ قرآن پاک میں جو علوم اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں قرآن پاک کا ایک حصہ ان علوم سے متعلق ہے جو پیدائش سے پہلے کی زندگی سے متعلق ہے۔ یعنی آدمی پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا اور پیدائش سے پہلے اسکے اوپر کیا کیفیات گزریں اور کن مراحل سے گزر کر وہ اس دنیا میں آیا۔ دوسرا حصہ وہ ہے جب آدمی مر جاتا ہے تو

Marfat.com

مرنے کے بعد آدمی کہاں چلا جاتا ہے۔ کہاں رہتا ہے مرنے کے بعد کی زندگی کیا ہے۔ حشر و نشر کیا ہے حساب کتاب کیا ہے۔ جنت و دوزخ کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

ایک حصہ قرآن پاک کا ان علوم سے بحث کرنا ہے جو ہماری پیدائش سے متعلق ہیں پیدائش کے بعد مرنے کے بعد کی زندگی سے متعلق ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی۔ جنت و دوزخ، حشر و نشر سے متعلق ہے۔ قرآن پاک کا دوسرا حصہ جو علوم ظاہر کرتا ہے وہ تاریخ ہے کہ یہ دنیا کے نبی اور اس میں کتنے پیغمبر تشریف لائے۔ قوموں نے اچھے کام کئے تو اس کے کیا نتائج مرتب ہوئے اور لوگ دنیا میں کس طرح رہے آیا انہوں نے حیوانوں کی طرح زندگی گزاری۔ جیسے گائے ہے، بکری وغیرہ یا انہوں نے حیوانات سے ہٹ کر اس زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ کی منشا پر غور وفکر کے نتیجے میں انہوں نے کیا ترقی کی انہوں نے روحانی سائنسی علوم بھی حاصل کئے یا نہیں۔ سائنسی علوم میں تسخیر کائنات کے اصول ہیں مثلاً یہ کہ ہم آسمانوں میں کس طرح داخل ہوسکتے ہیں۔ وہ کونسے علوم ہیں جن علوم کی بنیاد پر ہم چاند سورج ستاروں اور زمین کے اندر موجود چیزوں کو اپنے طابع حکم کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (قرآن کریم کی آیات) ترجمہ ہم نے تمہارے لیے مسخر کردیا تمہارے طبع کردیا جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ان علوم سے متعلق ہے۔ جو انسانوں کو معلومات فراہم کرتا ہے کہ حیوانات سے ممتاز ہو۔ کہ کس طرح زندگی گزارنی چاہئے آپ کا رہن سہن کیسا ہو آپ کا لین دین کیسا ہو۔ آپ جھوٹ نہ بولیں، سچ بولیں۔ اپنے ہمسایوں سے محبت کریں اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی کا نام شریعت ہے۔ قرآن پاک تین حصوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ایک حصہ زندگی سے متعلق ہے۔ وہ زندگی پیدائش سے پہلے کی ہو یا مرنے کے بعد کی ہو۔ دوسرا حصہ تاریخ ان علوم کے اوپر ہے جن قوموں نے علوم حاصل کر کے ترقی کی ہے۔ مثلاً یہ کہ آج کا دور سائنس کا دور ہے۔ اگر آپ پیچھے جائیں تو ہمارے اسلاف سارے

۲۱-۷-۱۱

Marfat.com

کے سارے سائنسدان تھے۔ اُنہوں نے گھڑی ایجاد کی۔ پانی کا جہاز مسلمانوں نے بنایا۔ زمین کی پیائش مسلمانوں نے کی۔ دوربین مسلمانوں نے ایجاد کی وغیرہ وغیرہ بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں نے ایجاد کیں اور مسلمانوں کی ایجاد کو جب غیر مسلمانوں نے پڑھا اُسکو سمجھا۔ انہوں نے اس پر غور وفکر کیا۔ نتیجہ میں مسلمان پیچھے رہ گیا اور وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ قرآن ریسرچ کی بھی دعوت دیتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ آپ تاریخوں سے عبرت بھی حاصل کر سکتے ہیں مثلاً یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے ہے کہ اللہ کا عذاب آیا لوگ بندروں کی شکل بن گئے جوئیں اور پھر مینڈک کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ قرآن پاک آپ پڑھیں۔ تو پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے لوگوں نے جب اچھے کام کئے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا اور جب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور پیغمبروں کی باتوں کو جھٹلایا تو انکے اوپر سختیاں آئیں اور پریشانیاں آئیں اور نتیجہ میں عذاب میں گرفتار ہوئے۔

اس وضاحت سے یہ معنی نکلے کہ علم کوئی بھی ہو اس کو سیکھنا ہے۔ دین کا علم بھی سیکھنا ہے۔ دنیوی علوم بھی سیکھنے ہیں اور سائنسی علوم بھی سیکھنے ہیں۔ مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ دین سے مراد ہے کہ ہم فقہ کا علم سیکھ لیں۔ جس سے مسائل معلوم کر لیں۔ اور دنیا کا علم نہ سیکھیں کہ موچی کا کام نہ سیکھیں۔ موچی کا کام بھی ایک علم ہے۔ مثلاً یہ کہ لوہار کا کام نہ سیکھیں لوہار کا کام بھی ایک علم ہے بڑھی کا کام نہ سیکھیں یہ بھی ایک علم ہے تو اگر یہ سب علوم ہم نہیں سیکھیں گے تو نوع انسان کی زندگی پریشان کن ہو جائے گی۔ اور وہ آرام و آسائش کی زندگی سے نکل جائے گی۔ علم کوئی بھی ہو۔ ہمیں سیکھنا ہے۔ علم کا سیکھنا ہماری ضرورت ہمارا فرض ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر عورت اور مرد پر علم سیکھنا فرض ہے اور علم چاہئے۔ آپ کو چین میں ملے تو وہاں سے سیکھیں ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم کے زمانے میں لوگ فقہ اور شریعت کا علم

Marfat.com

سیکھنے چین تو نہیں گئے ہوں گے۔ قرآن بھی نہیں سیکھنے گئے ہوں گے۔ حدیث بھی نہیں سیکھنے گئے ہونگے۔ چونکہ اس زمانے میں چین سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس زمانے میں چین نے کاغذ ایجاد کرلیا تھا۔ اس زمانے میں چین نے روشنائی ایجاد کرلی تھی۔ چونکہ چین ایک ترقی یافتہ ملک تھا۔ ساری دنیا میں علم کے لحاظ سے اُسکی ایک ممتاز حیثیت تھی۔ اس لئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر چین میں علم ملے تو وہاں جا کر سیکھو۔"

وفات

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

اقوال ارشادات

۱۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

۲۔ لوگوں کا درجہ بدرجہ مقام دنیا میں شرفا کی عزت اور علماء کی تعظیم کرنا کیے۔

۳۔ کسی کو حقیر نہ مانو۔

۴۔ دوستی پیدا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

۵۔ جس شخص کا ظاہر اچھا نہ ہو اس کے ساتھ تعلق نہ قائم کرو۔

۶۔ نرم گفتاری اور صبر و تحمل کو اپنا شیوہ بنالو۔

۷۔ کسی سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرو۔

۸۔ ہر مسلمان کو فقہی علم کو جاننا بھی ضروری ہے۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

عمر عزیز: ۶۳ سال

ابتدائی حالات

آپ کا نام جعفر صادقؒ اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کے مناقب و کرامات بے شمار ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نہ صرف اُمت محمدی کے لیے اور نہ صرف بادشاہ اور حجت نبوی کے لیے روشن دلیل ہیں بلکہ صدق و تحقیق پر عمل پیرا اور اولیائے کرام کے باغ کا ثمر بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس قدر عظمت بزرگی اور شان و شوکت عطا کی کہ اُس کے پیش نظر آپ کو جو خطابات ملے اُنہیں کس طور پر غیر موزوں نہیں کہا جاسکتا۔

آپ کا درجہ صحابہ اکرام کے بعد آتا ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ آپ کے مسلک پر عمل پیرا ہیں۔ وہ ایک اعتبار سے بارہ امامؒ کے مسلک پر گامزن ہیں۔

اہل بیت کے فرد ہیں

حضرت امام جعفر کا درجہ صحابہ کرام کے بعد آتا ہے لیکن اہل بیت میں شمولیت کی وجہ سے باب طریقت میں ہی آپ سے ارشادات منقول ہیں بلکہ بہت سی روایات بھی مروی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ آپ کے مسلک پر عمل پیرا ہیں وہ ایک اعتبار سے بارہ امام کے مسلک پر گامزن ہیں کیوں کہ آپ کا مسلک بارہ امام کا قائم مقام ہے لہٰذا اس لیے اگر صرف تنہا آپ ہی کے حالات و مناقب بیان کردیئے جائیں تو وہ بارہ اماموں کے مناقب کا ذکر تصور کیا جائے گا۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادقؓ کے نزدیک انسان کی نجات صرف اور صرف اُس کے عمل پر موقوف ہے اس کے علاوہ راہ نجات کا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام جعفر صادق سے عرض کی۔ چونکہ آپ اہل بیت ہیں اس لیے مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ تو امام جعفر صادقؓ بدستور خاموش رہے مگر جب داؤد طائی نے دوبارہ آپ سے عرض کی کہ اہل بیت ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو فضیلت بخشی ہے اس لحاظ سے نصیحت کرنا آپ پر فرض ہے۔ تو اس پر امام جعفر صادق نے فرمایا۔ ''مجھے تو ہر وقت یہی خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں روز محشر میرے جداعلیٰ ہاتھ پکڑ کر یہ سوال نہ کر بیٹھیں کہ تو نے خود میری اتباع کیوں نہیں کہ اس لیے کہ نجات کا تعلق نسبت سے نہیں بلکہ اعمال صالحہ پر موقف ہے۔ آپ کا جواب سن کر داؤ طائی کو بہت عبرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ جب اہل بیت میں خوف کے غلبے کا یہ عالم ہے تو پھر میں بھلا کس گنتی میں آتا ہوں اور کس چیز پر فخر کرسکتا ہوں۔

نظریہ ظاہر اور باطن

آپ کا نظریہ یہ تھا کہ انسان کا ظاہر مخلوق کے لیے اور اُس کا باطن اپنے خالق حقیقی کے لیے ہونا چاہئے۔ لیکن جب انسان ان دونوں چیزوں میں گڈمڈ کر دیتا ہے تب وہ سراسر نقصان کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو بیش بہا قیمتی لباس میں دیکھ کر سخت اعتراض کیا۔ وہ کہنے لگا کہ اہل بیت کو اس قسم کی قیمتی اور آرام دہ پوشاک پہننا زیب نہیں دیتا۔ اس پر امام جعفر صادقؓ نے اُس شخص کا ہاتھ پکڑ کر جب اپنی آستین سے پھیرا تو اُس پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ آپ کا لباس تو ٹاٹ سے بھی کھردرا ہے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ میرا جو لباس مخلوق کی نگاہوں سے عمدہ اور نفیس ہے حق کی نظروں میں وہ انتہائی کھردرا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اگر چہ آپ علم وعرفان کا سمندر ہیں صاحب کرامت بھی

Marfat.com

ہیں اور آپ کے فضل و کمال سے ایک زمانہ واقف ہے اور اس قسم کے نیک انسانوں کے بارے میں اکثر یہ سننے میں آیا ہے کہ وہ عاجز منکسر المزاج اور بہت نرم دل واقع ہوئے ہیں جب کہ آپ کے معاملے میں یہ بات اس کے قطعی اُلٹ ہے۔ آپ میں تو حد درجہ غرور اور تکبر پایا جاتا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟

امام جعفر صادقؒ نے اُس شخص کے جواب میں فرمایا۔ ''میں قطعی طور پر متکبر نہیں ہوں البتہ جب میں نے کبر کو ترک کر دیا ہے تو میرے رب کی کبریائی نے میرا احاطہ کر لیا ہے اس لیے میں اپنے کبر پر نازاں نہیں ہوں بلکہ میں تو اپنے رب کی کبریائی پر فخر کرتا ہوں۔

صوفی کی تعریف

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ صوفی کی تعریف کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: اللہ نے بندے کو صبر و معرفت سے زیادہ عظیم شے اور کوئی نہیں عطا کی اور اہلِ معرفت ہی خدا کے مخصوص بندے ہوتے ہیں لہٰذا جو بندہ اللہ کے ساتھ اپنے قلب کو صاف رکھتا ہے اس کو صوفی کہتے ہیں۔''

اس نے پھر عرض کی کہ آپ اہلِ معرفت کی بھی تعریف فرمائیں۔

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اہلِ معرفت وہ ہیں جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا جو شخص حلاوت آزادی کے ساتھ ہمکنار ہونا چاہئے۔ اس کو اپنے خیالات پاکیزہ بنانے چاہئیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ جو شخص صدقِ دل کے ساتھ عبادت کرتا ہے وہ ہمیشہ دنیا سے بیزار اور کھنچا کھنچا سا رہتا ہے کیونکہ عبادت و ریاضت کی وجہ سے اُسے آخرت کی دنیا بہت حسین اور دلکش دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔

روح پرور واقعات

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے میں آپ کا نظریہ بہت واضح

Marfat.com

اور ٹھوس تھا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس آ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ خدا کا دیدار کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے اُس شخص سے فرمایا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ ''تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکتا۔'' پھر تو نے کس لیے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ تجھے خدا دکھایا جائے۔ اگر کوئی باطن کی نگاہ سے دیکھے تو اسے ہر شے میں خدا نظر آئے گا۔

وہ شخص بھی آسانی سے ٹلنے والا نہیں تھا۔ اُس نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے کہا۔ ''حضرت موسیٰ کا معاملہ اور تھا لیکن یہ تو اُمت محمدی ہے جس کے بارے میں ایک شخص کہتا ہے ''رابی قلبی ربی'' یعنی میرے قلب نے اپنے پروردگار کو دیکھا اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ ''لم اعبد ربا کم ارہ'' یعنی میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جو مجھے نظر نہیں آتا۔

اُس شخص کی یہ باتیں سن کر حضرت امام جعفر صادقؒ نے حکم دیا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے دریائے دجلہ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جب اُس شخص کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے دریائے دجلہ میں ڈال دیا گیا اور پانی نے اُس کو اوپر پھینکا تو اُس نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے بہت التجا کی مگر آپ نے اُس کی ایک نہ سنی اور دریا کے پانی کو حکم دیا کہ اُس شخص کو خوب اچھی طرح غوطے دیئے جائیں۔ دریائے دجلہ کے پانی نے آپ کے حکم کے مطابق جب اس شخص کو کئی مرتبہ پانی میں غوطے دے دیئے اور لب جان ہو گیا تب وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طلبگار ہوا۔ حضرت امام جعفر نے جب یہ دیکھا کہ خدا کے دیدار کا مطالبہ کرنے والا راہِ راست پر آ گیا ہے تو آپ نے اسے پانی سے باہر نکلوا لیا۔

تھوڑی دیر بعد پانی سے نکلنے کے بعد جب اُس شخص کے حواس قدرے درست ہوئے اُس وقت حضرت جعفر صادقؒ نے اُس سے دریافت فرمایا۔ ''اب بتاؤ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا۔''

Marfat.com

وہ شخص کہنے لگا۔اے پیرومرشد! جب تک میں دوسروں کی اعانت کا طلبگار رہا اُس وقت تک تو میرے سامنے ایک حجاب کا پردہ تھا لیکن جب میں اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طالب ہوا تو میرے دل میں کچھ ایسی روشنی اور سکون پیدا ہوا جس سے میری ساری اضطراری کیفیت جاتی رہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ''کون ہے جو حاجت مند کے پکارنے پر اُس کا جواب دے۔''

اس پر امام جعفر صادقؓ نے اُس شخص سے فرمایا۔''اے بندے! جب تک تو نے اللہ تعالیٰ کو نہ پکارا اس وقت تک تو جھوٹا تھا لیکن اب تمہارا دل ایمان کی روشنی سے منور ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادقؓ نے اہل محفل سے فرمایا کہ پانچ لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے۔اول جھوٹے سے کیونکہ اُس کی معیت سے انسان مکروفریب میں مبتلا ہو کر بالآخر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔دوئم بے وقوف سے دور رہنا چاہئے کیونکہ وہ جس قدر آپ کا فائدہ سوچے گا دراصل وہ آپ کا اتنا زیادہ ہی نقصان کرے گا۔سوم کنجوس آدمی کو بھی اپنے قریب نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اُس کی صحبت سے بیش قیمت وقت رائیگاں چلا جاتا ہے، چہارم بزدل کی دوستی سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ وہ قابل اعتبار نہیں ہوتا۔اور مصیبت کے وقت میں آپ کو دھوکہ دے سکتا ہے۔آخر میں امام جعفر صادقؓ نے فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے فاسق آدمی سے بھی دور رہو کیوں کہ وہ محض ایک نوالے کی طمع میں کنارہ کش ہو کر دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ایک شب خلیفہ منصور نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ فلاں بزرگ کو فوری طور پر گرفتار کر کے اُن کے روبرو پیش کیا جائے۔خلیفہ کے تیور بتا رہے تھے کہ اُس کے ارادے بہت خطرناک ہیں۔وزیر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ اے امیر المومنین آخر معاملہ کیا ہے کہ رات گئے آپ اُن بزرگ کو کیوں طلب کرنا چاہتے ہیں؟

Marfat.com

خلیفہ منصور نے کہا۔ ”میں اُسے قتل کر دینا چاہتا ہوں۔“

وزیر نے کہا کہ اے امیر المومنین جس شخص نے دنیا کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا ہو اور ہمیشہ کے لیے گوشہ نشین ہو گیا ہو اُس کے قتل کرنے کی منطق میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ویسے بھی ایسے شخص کو قتل کرنا قرین مصلحت نہیں۔

وزیر کی بات سن کر خلیفہ خاصا غضبناک ہو گیا کہنے لگا۔ ”تم اپنے کام سے کام رکھو میں خلیفہ کی حیثیت سے تمہیں جو حکم دے رہا ہوں اُس کی فوری طور پر تکمیل کرو۔“

وزیر چونکہ خلیفہ کا جائز و ناجائز حکم ماننے پر مجبور تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے سر جھکائے اُن بزرگ کو لینے چلا گیا۔ وزیر کے چلے جانے کے بعد خلیفہ منصور نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ جس وقت وزیر اُس بزرگ کو لے کر دربار میں آئے اور پھر اُس موقع پر جیسے ہی میں اپنا تاج سر سے اُتاروں تم فوری طور پر اُسے قتل کر دینا لیکن وہاں تو معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا۔ متعلقہ وزیر جیسے ہی اُن بزرگ کے ہمراہ لے کر دربار میں پہنچا تو اُن کی عظمت و جلال کو دیکھ کر خلیفہ اس قدر متاثر ہوا کہ تمام آداب شاہی بھول کر اضطراری کیفیت میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر نہ صرف بزرگ کا پر جوش استقبال کیا بلکہ آپ کو صدر مقام پر لا بٹھایا۔ خلیفہ منصور نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ وہ انتہائی مودبانہ انداز میں آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کی حاجات و ضروریات دریافت کرنے لگا۔

وہ بزرگ چند لمحے تو خلیفہ منصور کے انداز کا جائزہ لیتے رہے اور پھر انہوں نے فرمایا۔ ”مجھے کسی دنیاوی آرام و آسائش کی طلب نہیں ہے۔ میں تم سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آئندہ کبھی مجھے اپنے دربار میں طلب نہ کرنا کیونکہ اس طرح میری عبادات میں خلل واقع ہوتا ہے۔“

چنانچہ خلیفہ منصور نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے اُن بزرگ کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دیا لیکن ان بزرگ کے جلال اور دبدبے کا خلیفہ پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ لرزہ براندام ہو کر تین روز تک مکمل بیہوشی کی حالت میں رہا۔

ادھر اپنے خلیفہ کی یہ حالت دیکھ کر سارے وزراء اور غلام حیرت زدہ رہ گئے اور جب ایک غلام نے ڈرتے ڈرتے خلیفہ سے اُس کا حال دریافت کیا تو خلیفہ نے بتایا کہ جب یہ بزرگ میرے پاس لائے گئے تو ان کے ساتھ ایک بڑا اژدھا بھی تھا جو کہ اپنے بڑے بڑے جبڑوں میں پورے چبوترے کو اپنے گھیرے میں لے سکتا تھا اور وہ خوفناک اژدھا مجھے اپنی زبان میں کہہ رہا تھا کہ اگر تو نے ذرا سی بھی گستاخی کی یا بزرگ کو ذرا برابر بھی تکلیف پہنچائی تو میں تمہیں اس چبوترے سمیت نگل جاؤں گا۔ چنانچہ اس اژدھے کی دہشت سے مجھے پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ میرے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ رہا کہ میں اُن بزرگ سے معافی طلب کر کے انہیں عزت و آبرو کے ساتھ رخصت کر دوں۔

حضرت ابوسفیان ثوری

جس دور میں حضرت امام جعفر صادقؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور تارک دنیا ہو گئے تو اُس وقت حضرت ابوسفیان ثوری نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا۔ ''امام صاحب! آپ نے تارک دنیا ہو کر لوگوں سے بڑی نعمت چھین لی ہے۔ وہ آپ کے فیوض و برکات سے محروم ہو گئی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اُن کی خاطر گوشہ نشینی ترک کر کے انہیں دوبارہ اپنی صحبت سے فیضیاب فرمائیں۔

حضرت ابوسفیان ثوری کی ساری بات سن کر آپ کے ہونٹوں پر ایک پر معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔ چند لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد آپ نے حضرت ابوسفیان ثوری کو اپنے دو اشعار پڑھ کر سنائے جن کا ترجمہ کچھ اس طرح سے ہے۔

Marfat.com

کسی جانے والے انسان کی وفا بھی چلی گئی اور لوگ اپنے خیالات میں غرق ہو گئے۔ اگرچہ وہ ظاہری طور پر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں زہریلے سانپوں اور بچھوؤں کا زہر بھرا ہوا ہے۔''

گویا آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اس نفسا نفسی اور افراتفری کی دنیا میں انسان کو انسان کے دُکھ درد سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ وہ محض دکھاوے اور دنیا داری کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں جب کہ حقیقت میں وہ زہریلے جانوروں سے بھی خطرناک ہیں اور کسی بھی وقت ایک دوسرے کی ہلاکت تباہی اور بربادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوسفیان ثوری خاموشی سے واپس چلے گئے۔

روحانی توجیہ

حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انسان کو اپنے نفس پر قابو پانا چاہئے میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظمی صاحب نے اس قول کی روحانی توجیہ کچھ یوں بیان فرمائی ہے۔

اس کے برعکس ایک آدمی لوازمات زندگی کو بہت مختصر کر دیتا ہے۔ غم و آلام اور فکر کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتا، ایسی غذائیں استعمال نہیں کرتا جو خون کو کمزور کرتیں ہے یعنی تمباکو، منشیات وغیرہ، ایسے صاف ستھرے ماحول میں رہتا ہے جہاں فضا زہر آلود نہیں ہوتی نتیجے میں ایسے آدمی کی عمر بڑھ جاتی ہے۔

یہ وضاحت ہے کہ اس بات کی کہ زمانیت کے بھی دو رُخ ہیں۔ ایک رُخ وہ ہے جس میں آدمی کے اندر کام کرنے والی انرجی (Energy) یعنی وہ صلاحیت، وہ طاقت یا وہ لہریں جو اس کی زندگی کو قائم رکھتی ہیں اتنی زیادہ خرچ ہوتی ہیں کہ آدمی اعصابی طور پر کمزور ہو جاتا ہے، اس کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں اور بالآخر مر جاتا ہے زمانیت کا دوسرا رخ وہ ہے کہ جس رخ میں کام کرنے والی لہریں ضرورت

Marfat.com

کے مطابق خرچ ہوتی ہیں اصراف بیجا نہیں ہوتا چونکہ لہریں اعتدال میں خرچ ہوتی ہیں اس لیے ان کا ذخیرہ محفوظ رہتا ہے۔ ذخیرہ محفوظ رہنے سے آدمی کے اندر صلاحیتیں زیادہ طاقتور ہوجاتی ہیں اور وہ اس طاقت سے زمانیت کومختصر اور بہت مختصر کرسکتا ہے۔

روحانیت میں مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسان کے اندر لہروں کا ذخیرہ زیادہ سے زیادہ حد تک محفوظ رہ سکے اوراس ذخیرے کی طاقت سے اس کا اپنا اختیار اور ارادہ اس طرف سفر کرنے لگے جہاں سکون اور راحت کی زندگی موجود ہے۔ہم نے جس طاقت کولہروں کا نام دیا ہے، سائنسدان ان لہروں کا نام (Calories) کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب تخلیق کا تذکرہ فرماتے ہیں اوراپنی خالقیت کا اعلان کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''وہی ہے جس نے تمہیں تخلیق کیا ہے نفس واحد ہے۔تصوف میں اس کا اصطلاحی نام نسبت وحدت'' اوراس کوایک نقطہ سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔جس میں تمام کائنات بند ہے۔

بادی النظر میں جب ہم غور کرتے ہیں کہ نفس واحد کیا چیز ہے؟ تو عام طرزوں میں یہ کہہ دیا جاتا ہے نوع انسانی آدم سے پیدا ہوتی ہے۔یعنی نفس واحدہ سے مراد آدم ہے یہ طرز فکر اور یہ تاویل صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جب آدم کا تذکرہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آدم کا پتلا سڑی اور بجنی مٹی سے تخلیق ہوا۔حقیقت میں نفسِ واحد جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے تمہیں نفسِ واحد سے تخلیق کیا ہے، وہ نقطہ ہے جو ساری کائنات کی بنیاد ہے اوراس نقطہ میں کائنات کا ایک ایک ذرہ ریکارڈ ہے۔کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی اپنے اندر موجود اس نقطہ سے واقف ہو جائے اوراس کی نگاہ اس نقطہ کے اندر کام کرنے لگے۔

اسی نقطہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔'' جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔'' اللہ تعالیٰ کے فرمان اور حضور اکرم ﷺ

Marfat.com

کے ارشاد پر تفکر کیا جائے تو اس کے معانی اور مفہوم اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور ہم ان دونوں میں باہمی ربط موجود پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمہیں تخلیق کیا نفس واحدہ سے اور حضور اکرم ﷺ اس نفس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جب عرفان نفس کا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ہم اُن قرآنی آیات کو جس میں عرفان نفس کے متعلق واضح اور روشن ہدایات موجود ہیں۔ متشابہات کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ کتاب جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ان لوگوں کو ہدایت بخشتی ہے جو متقی ہیں اور متقی لوگ وہ ہیں۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی غیب ان کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔ ان حضرات کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ ان کی عام طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں، یہ بات ہمارا یقین ہے۔ یعنی یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ ہر بات ہر کام، ہر عمل، ہر حرکت خواہ وہ ابتدا ہو یا انتہا، ظاہر ہو یا چھپی ہوئی سب اللہ کی طرف سے ہے مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے عمل درآمد ہونے میں براہ راست اللہ تعالیٰ کی مشیئت کا عمل دخل ہے۔

یہ بات سامنے آچکی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے لہروں کے تانے بانے پر قائم ہے اور یہ لہریں نور کے اوپر قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق زمین اور آسمان اللہ کا نور ہیں۔ تخلیق کی ایک حیثیت نورانی ہے۔ اور دوسری حیثیت روشنی ہے۔ ان لہروں اور تخلیق کے نورانی وصف کو تلاش کرنے کے لیے اہل اللہ نے انسانی شعور کی مناسبت سے قاعدے اور ضابطے بنائے ہیں اور ایک نقطہ کو تقسیم کر کے چھ کر دیا ہے۔ تاکہ ایک مبتدی سالک آسانی سے سمجھ سکے۔ اس ایک نقطہ کے چھ حصوں کی تقسیم کا نام تصوف میں لطائف ستہ یا چھ لطیفے رکھا گیا ہے۔ پانچ لطیفوں کو چھوڑ کر آخری چھٹا لطیفہ جس کو اخفیٰ کا نام دیا گیا ہے ہر انسان کے اندر نفس واحدہ

Marfat.com

ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جو اللہ کا گھر ہے۔ جس میں اللہ بستا ہے اور جس پر براہ راست اللہ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جس میں داخل ہونے کے بعد کائنات صحیح معنوں میں انسان کے لیے تسخیر ہوجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سمجھ لیتا ہے کہ ہم نے مسخر کردیا سب کا سب تمہارے لیے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، یعنی آسمانوں اور زمین جو کچھ ہے وہ تمہارا محکوم ہے۔ اور تم اس کے حاکم ہو۔ اس ارشاد کی مزید تفصیل یہ سامنے آتی ہے کہ ہم نے تمہارے لیے سورج کو مسخر کردیا، چاند کو مسخر کردیا، ستاروں کو مسخر کردیا۔ مسخر ہونے کا یہ مطلب نکالا جاتا ہے کہ چاند اور سورج کو اللہ تعالیٰ نے ایک ڈیوٹی تفویض کی ہے اور یہ بات ان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مخلوق کی خدمت کریں۔ چاند ہو، سورج ہو، ستارے ہوں، نباتات ہوں یا جمادات، پانی ہو یا گیس، چرندے ہوں یا پرندے سب انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں یہ مسخر ہونے کی تعریف میں نہیں ہوتا۔ مسخر ہونا کسی چیز پر حاکمیت قائم ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس چیز پر تصرف کیا جاسکے۔ موجودہ صورت یہ ہے کہ نوع انسان چاند اور سورج کے تصرف میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگر چاند اور سورج اپنا تصرف ختم کرسکتے تو زمین کا وجود باقی نہ رہتا۔ مثلاً یہ کہ ہم دھوپ کے محتاج ہیں اور ہم اس بات کے بھی محتاج ہیں کہ چاند اپنی روشنی سے ہماری فصلوں کو پروان چڑھائے۔ ہمیں چاند اور سورج پر کوئی حاکمیت حاصل نہیں ہے۔

درست طرز فکر کونسی ہے۔

سوال: انسان کسی بھی ڈھنگ سے زندگی گزارے اس کے پیچھے ایک سوچ، ایک طرز فکر کارفرما ہوتی ہے۔ کیا روحانیت ہمیں کوئی ایسی کسوٹی فراہم کرتی ہے جس سے پرکھا جاسکے کہ کون سی طرزِ فکر درست ہے؟

جواب: معاشرے کو سامنے رکھ کر تفکر کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ معاشرے میں موجود زندگی گزارنے اور زندگی میں سوچ بچار کی طرزیں ایک ہی طرح کام کرتی

Marfat.com

ہیں۔فرق اتنا ہے کہ آدمی کی سوچ بچار اور مخصوص طرزِ فکر کی بنیاد پر الگ الگ گروہ بنے ہوئے ہیں۔ایک گروہ کی طرزِ فکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس گروہ پر اتنا ہی فضل ہو جائے وہ ناشکرا ضرور ہوتا ہے۔ایک گروہ کی عادت یہ ہے کہ وہ فیاض ہے، سخی ہے۔ اس کے برعکس دوسرے گروہ کی جبلت یہ بن گئی ہے کہ وہ بخیل ہے، کنجوس ہے اور اس کے دل میں دولت کی محبت اس حد تک جاگزیں ہے کہ اس کے اوپر دولت کی پرستش کا گمان ہوتا ہے۔ایک گروہ ایسا ہے کہ اسے اس بات میں خوشی ہوتی ہے کہ وقت ضائع کیا جائے۔

ایک گروہ وعظ و نصیحت سننے کا شوقین ہے، دوسرا گروہ سیاسی تقاریر سننے کا خواہش مند رہتا ہے۔ کچھ لوگوں کو ناچ رنگ کا شوق ہوتا ہے۔ اور کچھ لوگوں کو پینے پلانے کا۔ اور ان لوگوں کے برعکس ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو خوش عقیدہ ہیں اور اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔

اقوال و ارشادات

۱۔ انسان کو اپنے نفس پر قابو رکھنا چاہیئے۔

۲۔ جو شخص اپنی عبادت پر فخر کرے وہ گنہگار ہوتا ہے۔

۳۔ مصیبت میں اپنے آپ کی ندامت کرے وہ فرمانبردار ہے۔

۴۔ مالدار کو ہر وقت اپنے مال کا خیال رہتا ہے جب کہ درویش اور شکر کرنے والے مالدار ہیں۔

۵۔ ذکر الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے بھول جائے۔

۶۔ حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اصل دانشمند وہ ہے جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی اختیار کرے اور دو برائیوں میں سے معتنا کم برائی پر عمل کرے۔

Marfat.com

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

ولادت: ۱۶۴ھ

وفات: ۲۲۷ھ

عمرعزیز: ۶۳ سال

ابتدائی حالات

حضرت امام احمد بن حنبل بغداد میں ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام محمد بن حنبل تھا اور دادا کا نام حنبل بن بلال تھا۔ حضرت امام کا نام اپنے دادا کے نام کے ساتھ قیامت تک رہے گا۔

نسبتی اعتبار سے

حضرت احمد بن حنبل نسبتی اعتبار سے خالص عرب تھے اور آپ کے والد اور والدہ دونوں شہیبالی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا خراسان سے منتقل ہوئے تھے اور انہوں نے اموی عہد حکومت میں سرخی کا گورنر بنا دیا گیا۔

بچپن کا واقعہ

حضرت امام بچپن ہی سے ایسے کاموں میں شرکت سے گریز کرتے تھے۔ ایک بار کسی حاکم نے آپ کے چچا سے پوچھا۔ ”تم نے آج کی خبریں کیوں نہیں بھیجیں؟ میں امیر المومنین کو ایک ایک لمحے کی خبر دینا چاہتا ہوں۔ پھر تم نے غفلت شعاری کا یہ مظاہرہ کیوں کیا؟“

”میں اپنے بھیجتے احمد کے ہاتھ ساری اہم خبریں آپ کی خدمت میں ارسال

Marfat.com

کر چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ وہ آپ تک کیوں نہیں پہنچیں؟'' چچا کو شدید حیرت تھی اور ساتھ ہی شرمندگی کا احساس بھی۔

تھوڑی دیر بعد حضرت امامؒ کو حاکم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس وقت آپ بہت نوعمر تھے۔

''کیا میں نے تمہیں خبریں دینے کے بعد یہ نہیں کہا تھا کہ انہیں حاکم تک پہنچا دو؟'' چچا نے بھتیجے سے سوال کیا۔

''ہاں، آپ نے مجھے خبریں دیں تھیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا میں انہیں حاکم کی خدمت میں پیش کر دوں۔'' حضرت امامؒ نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''پھر تم نے نافرمانی کیوں کی؟'' چچا نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔ ''کہاں ہیں وہ خبریں؟''

''میں نے انہیں پانی میں پھینک دیا۔'' حضرت امامؒ نے اس طرح کہا جیسے وہ کوئی فضول سی شے تھے اور اسے پانی میں غرق کر دینا ہی بہتر تھا۔

حاکم اور آپ کے چچا دونوں یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ کچھ دیر کے لیے اُن پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ پھر حاکم نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت برا ہوا مگر میں اس لڑکے پر سختی بھی نہیں کر سکتا۔'' حضرت امامؒ کی بے باکی نے اسکے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اس واقعے سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ دربارِ خلافت اور حکامِ وقت سے آپ کے خاندان کے مسلسل تعلقات رہے لیکن حضرت امامؒ کو بچپن ہی سے یہ روش پسند نہیں تھی۔ آپ حیرت انگیز طور پر بااثر لوگوں سے دور رہتے تھے اور آپ کی اسی عادت کو دیکھ کر بعض اہل نظر نے سمجھ لیا تھا کہ مستقبل میں یہ لڑکا کسی نہ کسی عنوان اسلامی تاریخ پر اثر انداز ہوگا۔

Marfat.com

یمن تشریف لے گئے

آپ نے طلبِ حدیث میں پانچ بار حجازِ مقدس کا سفر کیا اور اتنی ہی مرتبہ آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ ''میں نے پانچ میں سے تین حج پاپیادہ کیے۔ میں ایک حج پر صرف تین درہم خرچ کرسکا۔ ایک بار میں راستہ بھول گیا۔ کئی دن تک پیدل سفر کرتا رہا۔ آخر میں نے پکارنا شروع کردیا۔ خدا کے بندو! مجھے راہ پر لگا دو۔ یہاں تک کہ میں صحیح راستہ پر ہولیا۔'' علم کی خاطر حضرت امامؒ کی یہ قربانیاں ایک ایسا کارنامہ ہیں کہ جن کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں بہت کم نظر آئیں گی۔

حضرت امامؒ حج سے فارغ ہوکر صنعا (یمن) تشریف لے گئے۔ اس سفر کی روداد اتنی اثر انگیز ہے کہ اسے پڑھ کر دل پگھلنے لگتا ہے۔ راستے میں آپ کا مختصر سا اثاثہ ختم ہوگیا تو باربرداروں کے گروہ میں شامل ہوگئے اور اس وقت تک مزدوری کرتے رہے جب تک زادِ راہ کے لیے کچھ رقم جمع نہیں ہوگئی۔ کتنی مشقتیں اٹھائیں، کتنے فاقے کیے، اس کا حساب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بالآخر صنعا پہنچے۔ امام عبد الرزاقؒ نے آپ کی مدد کے خیال سے دیناروں کی ایک تھیلی سامنے رکھ دی اور انتہائی محبت آمیز لہجے میں کہا ''احمد! اسے قبول کرلو۔ یہ تمہاری ذات کے لیے نہیں، علم کی خاطر ایک حقیر سا تحفہ ہے۔''

''میری پرسش حال پر خدا تمہیں جزائے خیر دے لیکن میں جس حال میں ہوں ٹھیک ہوں۔'' حضرت امامؒ نے بے نیازانہ جواب دیا اور اٹھ کر چلے آئے۔

صنعا میں دو سال تک آپ کا قیام رہا۔ اس طویل عرصے میں آپ پر کیا گزری، اُن کیفیات کو بیان کرنے کے لیے الفاظ کا سہارا ناکافی ہے۔ حضرت امامؒ نے کسی قسم کی معاوضہ قبول کیے بغیر مسلسل آزار جھیلے اور امام زہریؒ کے طریقے پر حدیث کی سماعت کی۔

Marfat.com

روح پرور واقعات

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مشہور قول ہے۔

"جو حدیث سیکھتا ہے، فقہ نہیں جانتا، اس شخص کی مثال اُس دواساز کی سی ہے جو دوائیں تو جمع کرتا رہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون سی دوا کس مرض میں کام آئے گی؟ یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور دواؤں کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے۔ اسی طرح طالبِ حدیث ہے جو حدیثیں تو یاد کر لیتا ہے مگر اُن کی ماہیت سے ناواقف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ فقیہہ آتا ہے، اور حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔" ممکن ہے حضرت امام احمدؒ کی نظر سے ابو حنیفہؒ کا یہ قول گزرا ہو، یا پھر آپ نے خود اس علم کی ضرورت محسوس کی ہو، بہرحال یہ ایک تاریخ حقیقت ہے کہ آپ نے حضرت امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی اور علم فقہ کے رموز نکات کو سمجھا۔

آپ امام شافعیؒ سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے۔ ایک بار حدیث کی خصوصی مجلس آراستہ تھی۔ سفیان بن عینیہؒ کی بیان کردہ احادیث تحریر کی جارہی تھیں کہ اتنے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ تشریف لائے اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔"ابو یعقوب! اٹھو، میں تمہیں ایسا شخص دکھاؤں جسے تمہاری آنکھوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔"

حضرت امامؒ کی بات سن کر تمام ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو عمر کے اعتبار سے نوجوان تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس، روشن و تابناک چہرہ، آنکھوں میں ذہانت و فراست کا سمندر موجزن، یہ تھا اس شخص کا مختصر خاکہ۔ جب تمام لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت امام احمدؒ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ "ابو یعقوب! اس سے فیض حاصل کرو کہ میں نے آج تک ایسا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔" حاضرین مجلس اس نوجوان کی شکل دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ جسے آج ساری دنیا

Marfat.com

امام شافعیؒ کے نام سے جانتی ہے۔

ایک اور موقع پر حضرت امام احمدؒ نے اپنے استاد حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں اس طرح رائے ظاہر کی ''رسالت مآب e فرماتے تھے کہ میری اُمت کے لیے خداوند ذالجلال ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو دین کے بگڑے ہوئے امور کو سلجھایا کرے گا۔اسی قول رسول کریم e کے مطابق حضرت عمرابن عبدالعزیزؒ اُس صدی کے مجدد تھے اور میرا خیال ہے کہ امام شافعیؒ اس صدی کے مجدد ہیں۔'' ان واضح مثالوں سے ایک طالب علم بھی یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت امام احمدؒ، فقہ کے قائل نہیں تھے۔آپ نے اپنے زمانے کے کم وبیش تمام مروجہ علوم حاصل کیے مگر انہیں اپنے مذہبی جہاد کی بنیاد نہیں بنایا۔

حضرت حماد بن زید سے ملاقات نہ ہوسکی

حضرت امام احمدؒ کو علم حدیث وفقہ کی چند برگزیدہ شخصیات سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔اُن نامور ہستیوں میں حضرت مالکؒ سرفہرست تھے۔آپ کو حضرت حماد بن زیدؒ سے بھی ملاقات کا بڑا ارمان تھا مگر زمان ومکان کے فرق نے حضرت امامؒ کو علم کے ان سمندروں تک پہنچنے نہیں دیا۔حضرت حماد بن زیدؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاد محترم تھے جو حضرت امام احمدؒ کی پیدائش سے بہت پہلے انتقال فرما چکے تھے۔اسی طرح حضرت امام مالکؒ بھی حضرت امام احمدؒ کی دنیا میں آمد سے قبل ہی وفات پا گئے تھے یا پھر وہ آپ کا عالم شیر خواری ہوگا۔بہرحال امام احمدؒ ان دونوں عظیم بزرگوں کا زمانہ حیات نہ پاسکے اور تمام عمر اپنی اس محرومی پر افسوس کرتے رہے۔عبداللہ بن مبارکؒ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے مگر آپ اُن سے بھی ملاقات نہ کرسکے۔جب حضرت امام احمدؒ نے سولہ سال کی عمر میں علم حدیث سیکھنا شروع کیا تو عبداللہ بن مبارکؒ بغداد سے طرطوس جا چکے تھے۔حضرت امام احمدؒ کو عبداللہ بن مبارکؒ سے ملنے

Marfat.com

پر ساری زندگی قلق رہا۔بے شک یہ امامؒ کی محرومیاں تھیں مگر ان محرومیوں میں آپ کے ارادوں کو کوئی دخل نہ تھا۔ اگر آپ کسی طرح حضرت حمادؒ یا حضرت امام مالکؒ کی قربت پاسکتے تو شاید اپنی جان دے کر بھی علم وعمل کی ان عظیم درس گاہوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ بظاہر یہ وہ نقصان تھا جس کی تلافی کسی طرح بھی ممکن نہ تھی مگر قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ اس نے عجیب انداز میں آپ کی محرومیوں کا ازالہ کردیا۔ آخر عمر میں حضرت امامؒ خود فرمایا کرتے تھے۔"میں حضرت حمادؒ کے حضور نہ پہنچ سکا لیکن خدا نے مجھے ان کے بجائے اسمٰعیل بن علیہ سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔ میں حضرت امام مالکؒ کے علم سے فیض یاب نہ ہوسکا مگر اللہ نے میرے لیے سفیان بن عینیہؒ کا دروازہ کھول دیا۔"

روحانی توجیہہ

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔مگر ماسوا اللہ کی ذات اور اُس کا قول میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اس مثال کی روحانی توجیہہ اس طرح فرماتے ہیں:

انسان کے وجود میں ایک وجود (مادی جسم) پر ہر لمحہ اور ہر آن موت وارد ہوتی رہتی ہے جس لمحہ موت وارد ہوتی ہے اس ہی لمحہ ایک نیا وجود تشکیل پا جاتا ہے۔ یہ وجود لمحہ بہ لمحہ حیات ہے۔ دوسرا وجود (روح) وہ ہے جس پر لمحات، گھنٹے، دن اور ماہ و سال اثر انداز نہیں ہوتے۔ ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ دیانت اور بردباری کے ساتھ یہ سوچنا ہوگا کہ مرنے جینے اور جسم کی نت نئی تبدیلیوں کے پیچھے کیا عوامل کیا کام کررہے ہیں۔

کیا ہم بار بار تبدیلی جسم کے سلسلہ کو ختم نہیں کرسکتے اور کیا ہم بقائے دوام پاسکتے ہیں اور کیا ہم ہر آن اور ہر لمحہ جسمانی، ذہنی، شعوری تبدیلی سے نجات پاسکتے

Marfat.com

ہیں؟ ہمیں سوچنا ہوگا کہ اختلاف لیل و نہار کے ساتھ ہم بھی کیوں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ جاننے کے لیے ہمیں اپنے دوست کو پہچاننا ہوگا اور جب ہم اپنے سچے، پیارک اورایثار کرنے والے دوست سے واقف ہو جائیں گے تو ردو بدل کا یہ لامتناہی سلسلہ ایک نکتہ پر ٹھہر جائے گا۔ یہ ہمارا دوست اللہ ہے۔

اللہ کے بندے روحانی آگہی کے ناپید کنارا سمندر میں اتر جاتے ہیں ان کے اوپر سے Time Space کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور زمان سے پیدا شدہ تمام عوامل رنج وغم، پریشانی واضمحلال، فکر تردد سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اس دائرہ کار میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر انعام واکرام کی بارش ہونے لگتی ہے ایسے ہی بندوں کے لیے کائنات مسخر کر دی گئی ہے......

''اور مسخر کر دیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔'' (قرآن)

عالم انسان کے قدسی نفس حضرات وہ ہیں جو اپنے اندر کام کرنے والے کہکشانی نظام سے باخبر ہوتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اپنے Inner سے واقف ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سامنے سے مکان اور زمان کا پردہ اُٹھ جاتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ سب کچھ انسان کے اندر ہے۔ انسان کے اندر ایک نکتہ اور یہ نکتہ کائنات کی مائیکروفلم ہے۔ اس نکتہ کو جب پھیلنے اور نشر ہونے کا موقع دیا جاتا ہے تو ساری کائنات دماغ کی اسکرین پر فلم بن کر متحرک ہو جاتی ہے۔

قدرت کا چلن یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اسی کو ملتی ہے جو اس کا موزوں استعمال جانتا ہے اور جو لوگ اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بعد بے فخر اور گھمنڈ کے نشے میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات شروع کر دیتے ہیں ان سے یہ طاقت چھین لی جاتی ہے۔ اس لیے یاد رکھیے کہ سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنی

Marfat.com

شخصی تعمیر اور پھر تعمیر کائنات کا عزم ہونا چاہئے۔

وفات

آپ کا ۲۲ھ میں ہیئت کے مقام پر انتقال ہوگیا۔

اقوال وارشادات

۱۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اسے فنا ہونا ہے ماسوائے اللہ کی ذات اور اُس کے کلام کے۔

۲۔ دنیا اپنے کام میں مصروف ہے۔ مجھے میرا کام کرنے دو۔ جب تک قبر میں نہ پہنچ جاؤں قلم دوات کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔

۳۔ انسان کوشش وجستجو کی کوئی انتہا نہ رکھے۔

۴۔ غیرت نفس بھی انسان کے وقار کو بلند کرتی ہے۔

Marfat.com

حضرت امام رازی رضی اللہ عنہ

ولادت: ۵۴۳ھ

وفات: ۶۰۷ھ

عمر عزیز: ۶۴ سال

ابتدائی حالات

حضرت امام فخر الدین رازی ۲۵ رمضان ۵۴۳ھ یا ۵۴۴ء میں رے شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام عمر تھا اوران کی کنیت ابو القاسم اور لقب ضیاء الدین تھا۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے وعظ متکلم، صوفی محدث، ادیب اورانشاپرداز تھے۔ انہوں نے علم کلام اورفقہ کی تعلیم ابو القاسم انصاری اورابو امجد الحسین بن مسعود فرازیضوی سے حاصل کی تھی۔ انہوں نے علم الکلام میں غایۃ الحرام کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب بھی لکھی۔ ان کا شہر رے میں درس و تدرس کا ایک مدرسہ بھی تھا۔ ان کے اس درس میں بہت لوگ آیا کرتے تھے اس لیے ان کو خطیب ''رے'' کے نام سے پکارا جاتا تھا اور امام رازی کو بھی اس بنا پر ابن خطیب بھی کہا جاتا ہے۔

امام رازی کی کنیت

امام رازی کا اصلی نام محمد ابو عبداللہ تھا۔ آپ کی کنیت ابو الفضل اور لقب فخر الدین تھا۔ ہرات میں آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے بھی پکارا جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق سے ملتا ہے۔ مگر امام رازی نے خود اپنی تصانیف میں حضرت

Marfat.com

عمر بن خطاب کی اولاد سے بتاتے ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ بتایا جاتا ہے کہ جب تک آپ کے والد ماجد زندہ رہے کسی اور معلم کی طرف رجوع نہ کیا۔ آپ نے علم الکلام اور علم فقہ کی تعلیم آپ نے اپنے والد صاحب سے ہی لی۔ والد صاحب کی وفات کے بعد آپ نے ایک بزرگ جن کا نام تاریخ میں نہیں ملتا اُن سے بھی لی۔ آپ نے قاضی محی الدین کے والد سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے اپنی توجہ علم حکمت کی طرف دی اور آپ آخر میں ''رے'' میں واپس آ گئے۔ اور مسجد جیلی میں درس و تدریس کرتے رہے۔

مفلسی کی زندگی

امام رازی کی ابتدائی زندگی سخت مفلسی اور تنگدستی میں گزری آپ نے حصول تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کئی ایک سفر بھی کئے۔ لیکن مالی تنگی کی بناء پر آپ کو سفر میں کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسافرت کے دوران آپ مشہور طبیب ثقہ الدین شرف السلام عبد الرحمٰن بن عبد الکریم اشرفی کے مہمان ہوئے۔ انہوں نے بڑے اچھے طریقہ سے آپ کی پذیرائی کی اور خاطر مدارت کی۔ ''رے'' میں ایک نہایت صاحب ثروت طبیب رہتا تھا۔ اُس کی دو لڑکیاں تھیں۔ اچانک وہ طبیب بیمار پڑ گیا اور باوجود کوشش اور علاج معالجے کے اُس کو شفا نہ ہو سکی اور موت کے قریب ہونے پر اُس نے اپنی دونوں لڑکیوں کی شادی امام رازی کے دونوں لڑکوں سے کر دی۔ اور اُس دولت مند طبیب کی تمام دولت امام صاحب کے گھر منتقل ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تنگدستی ختم کر دی اور زمانہ کا رئیس بنا دیا۔ مشہور زمانہ کتاب للسان المیز ان میں تحریر ہے کہ امام رازی اس قدر امیر تھے کہ چالیس غلام سنہری کمر بند باندھے آپ کے اردگرد رہتے تھے۔ مال و دولت بھی آپ کے پاس تھی۔ امیر غریب آپ کی ملاقات کو آتے تھے۔ جب بھی آپ کسی شہر کو جاتے تو وہاں کے تمام

Marfat.com

علماء، اصحاب امراو سلاطین آپ سے ملاقات کو آتے اور شہر میں کوئی ایسا آدمی نہ ہوتا جو آپ کی ملاقات کو نہ آتا۔

غوری خاندان کی وابستگی

امام رازی کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے بلند مراتب عطا فرمائے۔ عام مسلمانوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جہاں امام رازی کی قدر دانی اہل روحانیت و ریاضت میں تھی وہاں بادشاہاں وقت بھی امام صاحب کو بڑی عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ آپ کے زمانے میں فراسان، غور غزنہ اور خوارزم وغیرہ پر غوری اور خوازم شاہی خاندان نے حکومتیں کی تھیں۔ غوری خاندان میں سلطان غیاث الدین غوری نہایت فیاض، علم دوست بے تعصب اور خوش عقیدہ انسان تھا۔ اس نے فراسان میں سب سے ملاقات اور اوقاف کے لیے بہت مدرسے، مسجدیں تعمیر کروائیں۔ اس طرح راستوں میں بہت ساری خانقاہیں بھی تعمیر کرائیں۔ غیاث الدین غوری کا ایک صاحبزادہ شہاب الدین غوری بھی شجاعت اور سیاست میں حکومت کا شریک کار تھا۔ غوری خاندان کی طرح نوارز شاہی خاندان میں علاؤ الدین خواز شاہ بھی امام رازی کی بڑی قدر دانی کی۔

امام رازی کی تصنیف و تالیف

امام رازی کی تصنیفات کی روزانہ تعداد جو تفسیر کبیر کی بعض سورتوں کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ نہایت حیرت انگیز ہے آپ سورۃ انفال کی تفسیر کے خاتمے پر لکھتے ہیں۔ اس سورہ کی تفسیر رمضان ۱۰۶ھ میں اتوار کے روز تمام ہوئی۔ اس کے بعد سورۃ توبہ کی تفسیر شروع ہوئی۔ اس کی تکمیل ۱۴ رمضان ۱۰۶ھ جمعہ کے روز ہوئی۔ ان کا حساب لگایا جائے تو آپ کی تصنیف کی روزانہ کی مقدار ۱۴ صفحات ہوئی ہے۔ امام صاحبؒ نے تصنیف و تالیف کا زمانہ نہایت ہی بے اطمینانی اور پریشانی کی حالت میں

Marfat.com

گزارا۔ آپ نے تفسیر کبیر میں جابجا اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ سورہ یونس کی تفسیر کے ناتمے پر آپ نے لکھا ہے کہ اس سورۃ کی تفسیر میں نے رجب ۶۰۱ھ میں مکمل کی اور فرزند صالح محمد کی وفات کی وجہ سے ہیں ان دنوں تنگدس اور غمزدہ تھا۔ اس طرح سورۃ یوسف کے خاتمے پر بھی آپ نے غمزدگی کا اظہار کیا طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کی وجہ سے بے اطمینانی اور پریشانی آپ کو لاحق رہی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے تصنیف اور تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ سورۃ ابراہیم کی تفسیر آپ نے بغداد میں مکمل کی۔ سورۃ نبی اسرائیل کی تفسیر شہر غزنی میں کی۔ اور سورۃ کیف کی بھی تفسیر غزنی میں مکمل ہوئی۔ امام رازی کی تصنیفات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی تصنیفی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ مولانا شبلی خاص طور پر آپ کی تفسیر کبیر کے متعلق قلم آرائی کرتے ہیں کہ جسے امام رازی کا عام انداز ہے وہ دست بیان اور انہوں نے ایسے مسائل حل کیئے کہ جن کا کسی اور کتاب میں نام ونشان نہیں ملتا امام رازی کی تصانیف میں تفسیر کبیر بہت مشہور ہے اس کے علاوہ آپ نے علوم و فنون پر عربی اور فارسی میں بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں مختلف علوم کے متعلق ان لوگوں کے خیالات و مسائل سے فائدہ اٹھا جو آپ کے دور سے پہلے اس علم میں خاص طور پر شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ فلسفہ وحکمت میں انہوں نے بوعلی سینا اور ابونصر فارانی کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔ علامہ فطی نے ان کے خالات میں لکھا ہے کہ امام رازی نے فراسان جا کر ابونصر فارانی اور بوعلی سینا کی تصانیف سے واقفیت حاصل کی۔ اوران کے علم میں اس طرح بہت اضافہ ہوا۔ امام رازی کے بعد علوم اسلامیہ کا جو نیا دور شروع ہوا۔ وہ آپ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ آپ کی تحروں میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس قدر سہل اور آسان پیرائے میں بیان کیا ہے۔ کہ ایک بچے کو بھی ان کے سمجھنے میں

Marfat.com

وقت پیش نہیں آتی۔ آپ نے فلسفہ وحکمت کے مسائل نہایت ہی آسان الفاظ میں بیان کیے۔

امام رازی فرماتے ہیں

دنیا کے رنج والم کے بارے میں فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کی حکمت کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ سعادت اورراحت بغیر تکلیف وحقیقت کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے جنت مصیبتوں سے اور دوزخ شہرت پرستوں سے گھری ہوتی ہے خدائے جنت کو اگر حضرت آدم علیہ السلام کے لیے پیدا کیا تھا تاہم اُن کو جنت سے اسی اصول کی بنا پر نکالا کہ وہ تکلیف اور مصیبت کو برداشت کر کے دائمی طور پر جنت میں داخل ہوں۔ اس لئے اُن کو جنت سے نکالا گیا تھا کہ وہ دنیا میں رہ کر محض تکلیف ومصیبت برداشت کریں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ جنت میں پہلے سے بہتر طریقہ پر داخل ہوں اور جنت کے پہلے اور دوسرے داخلہ میں کس قدر فرق ہے۔ دنیا میں تکلیف اور مصیبت اٹھانے کے بعد مسلمانوں کو جنت میں جو راحت اور لذت نصیب ہوگی۔ کیا اس راحت اور لذت سے زیادہ نہیں ہے۔ جو ان کو اس وقت حاصل ہوئی جب وہ ابتدا ہی سے جنت میں پیدا کے گئے ہوتے۔ جو شخص مرض کی تکلیف اٹھانے کے بعد اچھا ہو جائے۔ اس کو صحت کی لذت اس شخص سے زیادہ حاصل ہوگی۔ جو کبھی بیمار ہی نہیں ہوا۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ کمالات کے حاصل کرنے کے لیے تکلیف اٹھانا ایک اچھا فعل ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی لذت نہیں بلکہ جس چیز کو لذت خیال کیا جاتا ہے۔ وہ کسی تکلیف سے بچنے کی ایک صورت ہے۔ کھانے اور پینے کی لذت، بھوک سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا نام ہے۔ اس لیے انسان کے لیے صرف دو چیزیں ہیں

Marfat.com

یا تکلف یا تکلیف سے بچنا۔آیت کریم بتائی ہے کہ انسان کے قیامت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ جس ذات نے انسان کو پیدا کیا اگر اس تخلیق سے اس کا مقصد صرف یہ کہ وہ تکلیف اٹھائے تو یہ راحت کے مخالف ہے اور اگر یہ مقصد ہے کہ نہ تکلیف اٹھائے اور لذت حاصل کرے تو اُس کی تخلیق کی کیا ضرورت تھی۔خیر وشر، لذت والم، تکلیف و آرام ایک مفہوم اضافی جن میں ایک کات صور دوسرے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جنت کی لذت کو ابدی کہا جاتا ہے۔اور کوئی لذت ابدی نہیں ہوسکتی۔اگر ایک شخص صبح سے شام تک مستقل برف کا پانی پیتا رہے تو اس کو کوئی لذت حاصل نہ ہوگی۔

امام رازی عالم اور جاہل کے درمیان فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جتنا سونے اور مٹی کے درمیان فرق ہے۔ اتنا ہی جاہل اور عالم کے درمیان ہے۔علم تمام اوصاف حمیدہ سے اعلیٰ صفت ہے اور جہالت تمام صفات سے بدتر چیز ہے۔کیونکہ یہ چیز کوئی چیز ہے مگر جہالت کوئی چیز نہیں۔اللہ تعالیٰ نے علم و ہدایت کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے۔اپنی منشا کے مطابق علم و ہدایت کے خزانے عطا فرماتا ہے کہ امام صاحب اس بارے میں امام غزالی کی ایک حکایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اعرابی

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اُس نے پہلے نہایت خوشی سے رقص کیا اور اُس کے بعد رونے لگ گیا۔حضور نبی کریم ﷺ نے اُس سے رونے اور خوشی کا سبب دریافت فرمایا۔تو اُس نے عرض کی ”حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں ایک چرواہا ہوں۔ایک روز میں نے ایک شتر سوار سے آپ کا نام سنا تو میں مسلمان ہوگیا۔اور اس سے آپ کی جائے قیام کے متعلق پوچھا ۔اُس نے اپنے حال و اسباب کو وہیں چھوڑا اور اس طرف روانہ ہوگیا۔ہر منزل پر صبح شام خداوند تعالیٰ مجھے غیب سے روٹی پانی دیتے رہے۔ جو درندہ میرے سامنے آتا

Marfat.com

مجھے سجدہ کر کے چلا جاتا۔ محض حق تعالیٰ کی ہدایت سے میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ حالانکہ آپ نے میری طرف کوئی قاصد نہیں بھیجا۔ اس سبب سے میں نے خوشی میں رقص کیا اور میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ قبلہ قریش آپ سے دشمنی رکھتا ہے۔ آپ کی عداوت کے سبب یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی سے ڈرتا ہوں اور روتا ہوں۔

امام رازی کا شمار تصوف میں بھی ہوتا ہے

امام رازی کو اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی برکتوں اور سعادتوں سے نواز تھا۔ ایک طرف آپ کا شمار اہل تصوف میں کیا گیا اور دوسری طرف شہ زدری نے لکھا ہے امام صاحب کے انتقال کے وقت اُن کے پاس دنیاوی ساز و سامان مال، دولت سب تقسیم کر دیا لونڈیاں اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔

آپ نے اپنی زندگی جاہ و جلال میں بسر کی بعد میں آپ کی اولاد نے بھی اس عزت و احترام سے وقت گزارا۔ آپ کے جو لڑکے تھے۔ جن کا نام ضیاء الرحمٰن اور شمس الدین تھے۔ بڑا لڑکا ضیاء الدین بھی آپ کی طرح علمی مشاغل رکھتا تھا۔ چھوٹا لڑکا شمس الدین غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ اگر میرا یہ لڑکا زندہ رہا تو یہ مجھ سے زیادہ عالم ہوگا۔ پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ یہی لڑکا آپ کے درس و وعظ میں جانشین بنا۔

روح پرور واقعات

للسان المیز ان میں تحریر ہے برات میں جب آپ کی تشریف آوری ہوئی تو سب لوگ آپ کی ملاقات کو آئے۔ ایک بار سب لوگ آئے مگر ایک شخص نہ آیا تو آپ نے سوچا کہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ ایک اہل نے اُس مرد صالح دعوت کی اور امام رازی کو بھی مدعو کیا۔ یہاں پر امام صاحب کی ایک تارک الدنیا ہونے والے شخص سے

Marfat.com

ملاقات ہوگی۔ آپ نے اُس سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو اُس نے کہا کہ میں ایک فقیر آدمی ہوں۔ نہ میری ملاقات سے کسی کو کوئی مشرف حاصل ہوسکتا ہے اور نہ میرے ملنے سے کسی میں کوئی نقص پیدا ہوسکتا ہے۔ امام صاحب یہ جواب سن کر کچھ دیر خاموش رہے پھر اُس نیک شخص سے مخاطب ہوئے اور کہا یہ جواب تو اہل ادب یعنی صوفیا کا ہوسکتا ہے۔

اس مرد صالح نے امام رازی سے پوچھا۔ آپ سے کس بنا پر ملاقات واجب تھی۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ میں مسلمانوں کا امام ہوں اور واجب التعظیم شخص ہوں اُس شخص نے جواب دیا کہ آپ کا سرمایہ فخر علم ہے لیکن خدا کی معرفت راس ہے۔ پھر آپ نے خدا کو کیونکر پہچانا۔ امام رازی نے فرمایا ''سو دلیلوں سے'' اس مرد صالح نے کہا ''دلیل کی ضرورت تو شک کو زائل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ مگر خدا نے میرے دل میں ایسی روشنی ڈال دی ہے کہ اس کی وجہ سے میرے دل میں شک کا گزر نہیں ہوسکتا کہ مجھکو کسی دلیل کی ضرورت ہو۔ امام رازی کے دل پر اس کلام نے بڑا اثر کیا اور اسی مجلس میں اس مرد صالح کے ہاتھ پر آپ نے توبہ کی اور بیعت کی اور خلوت نشین ہوگئے۔ امام رازی کو جس مرد صالح سے میں اس کا نام گرامی حضرت نجم الدین کبریٰ تھا اور یہ وہ شخص تھے۔ جو نہ صرف امام رازی کے پیر و مرشد تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اوصاف سے نواز تھا کہ یہ جس شخص کو دیکھ لیتے تھے وہ ولی ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت نجم الدین کبریٰ کو ولی ساز یا ولی گر کہا جاتا ہے۔ اس ولی گر کی دید کا شرف امام رازی کو حاصل ہوا۔

حضرت نجم الدین کبریٰ کی ملاقات کے بعد امام رازی نے خلوت نشینی اختیار کرلی اور خلوت سے نکلنے کے بعد آپ سے تفسیر کبیر لکھنی شروع کی۔ اس تفسیر کے لکھنے کے بعد اور علوم کی وقعت آپ کے دل سے جاتی رہی اور وہ صرف قرآن

Marfat.com

پاک کو ہی دینی اور دنیوی سعادت کا منبع سمجھے رہے۔ آپ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں اگرچہ میں نے مختلف قسم کے علوم نعتیہ و عقلیہ کی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اس علم کی خدمت کی وجہ سے مجھ کو مختلف قسم کی جو دنیوی اور دینی سعادتیں حاصل ہوئیں۔ وہ اور دوسرے علوم کی وجہ سے حاصل نہیں ہوئیں۔ اس طرح آپ نے سورۃ یوسف کی تفسیر میں لکھا ہے میری عمر بھر کا تجربہ یہ ہے کہ انسان جیسا کسی کام میں خدا کے سوا کسی اور پر بھروسہ کرتا ہے تو یہ شدت ابتلا اور مصیبت کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور جب مخلوق کو چھوڑ کر خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ مقصد عمدہ طریقہ سے حاصل کر لیتا ہے۔ یہ تجربہ مجھ کو ابتدائی عمر سے آج تک برابر حاصل ہوتا رہا ہے۔ جبکہ اب میری عمر ۵۷ سال ہوگئی ہے۔ اس سے میرے دل پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ خدا کے فضل و احسان کے علاوہ کسی چیز پر بھروسہ کرنے میں انسان کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام رازی ہر وقت مراقبہ میں رہتے تھے اور اپنے نفس کا بھر پور انداز میں محاسبہ کرتے تھے۔ لسان المیزان میں تحریر ہے کہ امام رازی نماز روزہ میں کبھی کمی نہیں کرتے تھے۔ اور علم کلام میں مہارت کے باوجود کہا کرتے تھے کہ جو شخص بوڑھی عورتوں کے دین کا پابند ہو وہی کامیاب ہوتا ہے۔

ایک موقع پر نبوت کی بحث میں لکھتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو حامد غزالی کے کلام میں ایک عمدہ بحث دیکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان یا تو ناقص ہوگا۔ یا کامل یا پھر دونوں خوبیوں سے خالی ہوگا پھر ناقص بذات خود اگر ناقص ہے اور دوسرے کے حالات کے ناقص بنانے کی کوشش نہیں کرتا تو پہلا شخص گمراہ ہے اور دوسرا گمراہ اور گمراہ ساز شخص کس طرح کامل شخص بھی بھی اگر بذات خود کامل ہے۔ لیکن دوسروں کی تکمیل نہیں کر سکتا تو وہی لوگ اولیاء ہیں اور اگر بذات خود کامل ہونے کے ساتھ ناقصوں کی تکمیل بھی کر سکتا ہے۔ وہی لوگ انبیا ہیں اور چونکہ نقصان و کمال اور

Marfat.com

کامل کرنے اور گمراہ کرنے کے مراتب کمیت و کیفیت کے لحاظ سے غیر متناہی ہیں۔ اس لئے ولایت و نبوت کے مراتب بھی لازمی طور پر کمال و نقصان کے لحاظ سے غیر متناہی ہیں اور ولی وہ انسان کامل ہے جو تکمیل کی قدرت نہیں رکھتا جبکہ یہ وہ انسان ہے جو کامل بھی ہے اور کامل بنانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ پھر اس کی روحانی طاقت کبھی صرف دو ناقص انسانوں کی تکمیل کرسکتی ہے اور کبھی اس کی اس سے بھی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ یہ اسرار عالیہ قرآن مجید کے الفاظ میں چھپتے ہوئے ہیں۔ جو شخص قرآن مجید کے علم پر نظر ڈالتا ہے۔ لیکن ان اسرار و رموز سے غافل رہتا ہے جو حقیقت وہ قرآن حکیم کے اسرار سے محروم رہتا ہے۔

وفات

امام رازی جب شدید بیمار ہوگئے تو آپ کو خوارزم سے "رلے" لے جایا گیا۔ اور ۶۰۶ھ دوشنبہ کے اور روز آپ نے وفات پائی۔ اس روز عید الفطر کا دن تھا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔

روحانی توجیہہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کا اثر ہوتا ہے۔ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ العالی اس قول کی روحانی توجیہہ اس طرح فرماتے ہیں:

جو بندہ شیطان سے قریب ہو جائے گا وہ رحمان سے دور ہو جائے گا اور جو بندہ رحمان سے قریب ہو جائے گا وہ شیطان سے دور ہوگا۔ خواب خیال کی بات جو آپ نے پوچھی ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان کے ذہن میں ۲۴ گھنٹے ایک ہی خیال رہتا ہے۔ "پیسہ پیسہ" اس کو پیسہ کی ہوس ہے تو خواب میں وہ دولت ہی دیکھے گا اور ایک آدمی کے ذہن میں اللہ کی محبت پیغمبروں کی تعلیمات، اولیاء اللہ کی

Marfat.com

محبت ہوگی تو وہ ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت مل جائے حضور ﷺ کا قرب نصیب ہو جائے حضور ﷺ کی زیارت ہو جائے تو اس کے خواب پاکیزہ ہوں گے۔ پیغمبروں نے شیطنت کو رد کیا ہے اور شیطانی خیال سے دور رہنے کی ہدایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کے لیے اور رحمانی علوم سیکھنے کے لیے پوری نوع انسانی کو دعوت دی ہے۔ خواب کی دو طرزیں ہیں۔ ایک یہ کہ خیالات ہر وقت ذہن میں گشت کرتے رہتے ہیں وہ مسخ صورت ہو کر نظر آجائیں۔ یہ کہ عالم بالا میں جو پاکیزہ خیالات گشت کر رہے ہیں وہ نظر آجائیں۔ مسخ صورت خواب رویائے کاذبہ اور حقیقی خوابوں کو رویائے صادقہ کہا جاتا ہے۔

بات سیدھی ہے کہ ہر چیز کے آداب اور اصول ہیں دعا مانگنے کے بھی آداب ہیں کچھ بھی مانگنے کے اصول ہیں مثلاً بیٹا باپ سے کہے کہ ابے ابا پیسے نکال۔ ابا اسے پیسے نہیں دیں گے بلکہ تھپڑ ماردیں گے اور کہیں گے کہ دور ہو جاؤ دفع ہو جاؤ اور اگر وہی بیٹا یہ کہے کہ ابا جی مجھے پیسے چاہیں، مجھے پیسوں کی ضرورت ہے تو ابا دو روپے کی بجائے اسے ۵ روپے دے دیں گے۔ موجودہ دور میں جو دعائیں مانگی جاتی ہیں آپ اس پر ذرا غور کریں کہ اس کے اندر نہ گداز ہوتا ہے نہ عاجزی ہے نہ انکساری ہوتی ہے بلکہ ایک آڈر ہوتا ہے کہ اللہ میاں یہ کردے اللہ میاں یہ کردے، اس میں نہ ادب ہے نہ احترام ہے نہ گداز ہے نہ یقین ہے تو وہ دعائیں فرشتے آسمان سے نیچے نہیں پھینکیں گے تو کیا کریں گے؟ میں ۶۰ سال سے ایک بات سنتا ہوا آرہا ہوں کہ یا اللہ بنی اسرائیل کا بیڑہ غرق کردے حج میں بھی یہ دعا ہوتی ہے ہر مسجد میں یہ دعا ہوتی ہے ہر مدرسہ میں یہ دعا ہوتی ہے اور لاکھوں، کروڑوں آدمی آمین کہتے ہیں لیکن یہ دعا قبول نہیں ہوئی ۶۰ سال تو ہو گئے ہم کو سنتے ہوئے جتنا دعا مانگتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا بیڑہ غرق ہو جائے اتنا ہی بنی اسرائیل کا عروج ہو رہا ہے آخر کیا مطلب ہے؟ ۶۰

Marfat.com

سال کیا کسی دعا کے قبول ہونے کے لیے کم وقت ہے کروڑوں مسلمان یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ بنی اسرائیل کا بیڑہ غرق ہو جائے مگر بنی اسرائیل کا بیڑہ غرق نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے مانگو میں دونگا میں قبول کروں گا تم دعا مجھ سے مانگو تو سہی جب آپ دعا کے آداب ہی پورے نہیں کرتے، اللہ کے اوپر یقین ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبانی جمع خرچ کو نہیں مانتا قرآن کریم میں ہے اعمال سے قوموں کی تقدیروں میں ردو بدل ہوتا ہے اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہی قرآن کے مطابق نہیں ہیں ہر آدمی جانتا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے مگر وہ جھوٹ بولتا ہے ہر آدمی جانتا ہے کہ کسی کی دل آزاری کرنا بہت بڑا پاپ ہے لیکن ہر شوہر بیوی کی دل آزاری کر رہا ہے ہر بیوی شوہر کی دل آزاری کر رہی ہے ماں باپ بچوں کی دل آزاری کر رہے ہیں آپ غور تو کریں کہ معاشرہ میں کس قدر برائیاں داخل ہوگئی ہیں۔ اس معاشرہ میں کیسے آپ کی دعا قبول ہوگی کس بات پر آپ اللہ تعالیٰ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ کی دعا قبول کریں گے مسلمان ہر وہ کام کر رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ناپسند ہے جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے بلاشبہ اللہ انکی دعا قبول کرتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ سب کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ انکی دعا قبول کرتا ہے۔ میرا بیٹا سلام عارف عظمی بتا رہا تھا کہ جامع مسجد راولپنڈی میں ایک مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے دعا کرائی یا اللہ ایسا کر کہ بنی اسرائیل کا بیڑہ غرق کر دے ایسا کر کہ کفار اس دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں جوش خطابت میں کہنے لگے کہ یا اللہ بنی اسرائیل کی توپوں میں کیڑے ڈال دے یعنی توپ کو اللہ انسان بنا دے، آٹا بنا دے اور اس میں کیڑے ڈالدے یہ کتنی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ آدمی کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں اور کیا مانگ رہا ہوں تو دعا کیسے ہوگئی؟ دعا وہی رد ہوتی ہے جس کے ساتھ گداز

Marfat.com

نہ ہو جس کے ساتھ دلی تعلق نہ ہو اور جس کے ساتھ یقین نہ ہو اگر دعائیں گداز ہیں اگر دعا میں آپ کا دل شامل ہے اگر دعا کے ساتھ ساتھ یقین ہے تو وہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالی دعا کو نہیں مانتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلے عمل کرو پھر دعا کرو پھر میں قبول کرونگا۔ حضور ﷺ کی زندگی ہمارے سامنے ہے حضور ﷺ نے پہلے عمل کیا پھر دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کو جتنے مجاہد میسر آئے انہیں لیکر میدان میں جہاد کے لیے لے گئے۔ پھر عرض کیا اے میرے اللہ میں اتنے بندے ہی لاسکتا تھا اب آپ ہماری مدد کریں اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر کے فرشتے نازل کر دیئے تو بغیر عمل کے دعا قبول نہیں ہوتی عمل کے ساتھ ساتھ گداز ہونا چاہئے، یقین ہونا چاہئے تو ایسی دعائیں قبولیت کے درجہ پر فائز ہوتی ہیں۔

اقوال وارشادات

۱۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا کا اثر ہوتا ہے۔

۲۔ منزہ اور کمال قدرت، علم اور رحمت کے ساتھ متصف ہے۔

۳۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی تمام تر عظمت کو تسلیم کرواتا ہے۔

۴۔ کمالات کے حاصل کرنے کے لیے تکلیف اٹھانا ایک مستحسن فعل ہے۔

Marfat.com

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۴۵۰ھ

وفات: ۵۶۵ھ

عمر عزیز: ۵۵ سال

ابتدائی حالات

حضرت امام غزالی کا پورا نام زین الدین ابو حامد محمد بن احمد طوسی غزالی تھا۔ آپ ایران کے ایک قصبے تہران میں ۴۵۰ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد بن محمد آپ مرد صالح درویش مزاج اور عبادت گزار تھے۔

وجہ تسمیہ

امام غزالی کے نام کے ساتھ ''غزالی'' کی وجہ تسمیہ جاننے کے لیے علماء نے دو توجیہات پیش کی ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والد دھاگے کا کاروبار کرتے تھے اور اسی مناسبت سے غزالی کہلائے اور بعض کے نزدیک غزالہ گاؤں کی نسبت سے غزالی کہلائے تھے۔ شبلی نعمانی کی تحقیق سے غزالہ نامی کوئی گاؤں اس علاقے میں نہیں پایا گیا۔ لہٰذا شبلی نعمانی کے نزدیک اپنے والد بزرگوار کے پیشہ کی وجہ سے ہی یہ امام غزالیؒ کہلائے۔

عالم حقیقت اور ظاہر

جو لوگ مقام ظاہر میں ہوتے ہیں وہ ایک قدم بھی فروتر نہیں رکھ سکتے اور جو لوگ عالم حقیقت میں قدم رکھتے ہیں وہ کچھ اس طرح محو حقائق اور مست بوئے گل

Marfat.com

ہوجاتے ہیں کہ اپنے آپ سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت کم مگر انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جو اس راہ پر اتنے پختہ اور استوار ہوتے ہیں جو مقام حقیقت پر پہنچنے کے بعد دوبارہ عالم خلق میں قدم زن ہونے کے ساتھ اور اپنے احساس دروں اور تعلق باللہ کو قائم رکھتے ہیں۔ غزالیؒ ان مردان کامل میں سے تھے کہ مراتب عرفان کو پورے طور پر تکمیل کر چکے تھے اور ایسے ظرف کے مالک تھے کہ حقائق و معانی کا یہ درجہ اتم بلوغ و شعور حاصل کر چکنے کے بعد دوبارہ عالم صورت میں نمودار ہوئے اور مخلوق خداوند سے آشنا ہو کر اس کی تعلیم و تربیت میں مصروف و منسلک ہو گئے اور یہی حیات غزالی کے وہ احوال ہیں جو انہیں عالموں، زاہدوں اور عارفوں سے ممتاز کرتے ہیں۔

روح پرور واقعات

ایک دن مفتیانِ شام کی ایک جماعت صحن مسجد میں موجود تھی۔ ایک شخص آیا اور اُس نے اُن سے ایک مسئلہ پوچھا جس کے جواب میں یہ لوگ عاجز رہ گئے۔ ایک مردِ مجہول کی طرح غزالی بھی وہاں بیٹھے تھے۔ لیکن خاموش رہے جب مسئلہ پوچھنے والا چلنے لگا تو آپ کو خیال آیا کہیں یہ شخص تہی دامن نہ رہ جائے۔ اسے بلایا اور اس کے سوال کا جواب دے دیا۔ وہ شخص مضحکہ خیز انداز میں غزالیؒ کو دیکھنے لگا کہ جس سوال کا جواب مفتیان نہ دے سکے۔ اس کا جوا یہ مرد عالی کیسے دے سکتا ہے۔ مفتیوں نے سائل کا یہ حال دیکھا تو اسے بلا کر ماجرا پوچھا۔ سائل نے غزالی کا جواب سنایا تو مفتیان دنگ رہ گئے۔ انہوں نے محسوس کرلیا کہ یہ کوئی مرد دانش ہے چنانچہ ان سے تدریس کی استدعا کی۔ غزالیؒ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں پھر وہ قیل و قال کے چکر میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ لہٰذا اسی رات دمشق سے باہر چلے گئے۔

غزالیؒ کا اولین مجاہدہ یہ تھا کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے اُنہوں نے بالاتر مناصب و مقالاتِ دنیوی کو ترک کر دیا اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اس دنیا کا

Marfat.com

بزرگ ترین منصب بھی راہ معرفت کے کمترین درجہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اُس زمانہ میں جو صحیح معنوں میں عہد جدل وتعصب دینی تھا۔ علماء وسلاطین اور خلفائے عباسی کے خوف و دہشت سے کسی کو یارانہ تھا کہ عقائد عمومی کے خلاف ایک حرف بھی کہہ سکے۔ محض مورد تہمت و بدگمانی سے گردنیں تن سے جدا ہوجاتی تھیں مگر امام غزالیؒ نے بے پروا یانہ پردہ اوہام چاک کرنے کا معرکہ برپا کیا اوراپنے زمانے کے اوضاع علمی و دینی کو تند و تلخ تنقید کے نشانہ بنانے میں ذرا جھجک محسوس نہ کی اور وہ علماء سوء جو اپنی کم علمی کی وجہ سے لوگوں میں فتنہ وشر پیدا کر رہے تھے ان کی ترتیب اور مذہب سے بھی دریغ نہیں کیا۔

وفات

بروز اتوار ۴ جمادی آخر ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

اقوال ارشادات

۱۔ انسان جاہ جلال مال اور متا ۔ سے روگرداں ہو جاتا ہے مگر علم و دانش سے روگرداں ہونا مشکل ہے۔

۲۔ دنیا آنی جانی ہے۔ آخرت کی بادشاہی ہی بہتر ہے۔

۳۔ ایسے لوگ ہمیشہ کم نظر آتے ہیں۔ جو مقام صورت و معنیٰ اور ظاہر و باطن کے جامع ہوں۔

۴۔ دنیا اور آخرت میں انسان کی کامیابی کا دارومدار انسان کے اپنے عرفان پر ہے۔

روحانی توجیہہ

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں انسان کی کامیابی کا دارومدار انسان کے اپنے عرفان پر ہے۔

Marfat.com

قسم ہے زمانہ کی انسان خسارہ اور نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو رسالت اور قرآن کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر عمل پیرا ہو گئے (قرآن)

آیئے اس آیت کریمہ کی روشنی میں یہ تلاش کریں کہ انسان خسارہ میں کیوں ہے؟ رسالت اور واحدانیت پر ایمان اور یقین رکھنے کی صورت میں وہ نقصان اور خسارہ سے نجات پا جاتا ہے۔

آج کی دنیا جس دور سے گزر رہی ہے وہ سائنس کا دور ہے۔ یہاں ہر بات کو حجت اور دلیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر دلائل کے بغیر کوئی بات کہی جائے تو اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

پیش نظر مضمون میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جو بات بھی کہی جائے موجود دور کی طرز کے مطابق دلائل اور حقائق پر مبنی ہو۔ زمین و آسمان کے فاصلے ناپنے، چاند سورج کی گردش معلوم کرنے اور چاند کو مسخر کرنے کے خواب دیکھنے والی قوم ایک عرصے سے اس کوشش میں ہے کہ زمین کے اوپر اور زیر زمین پھیلے ہوئے وسائل کو زیادہ سے زیادہ استعمال کے قابل بنا دیا جائے بڑے بڑے جہاز، آواز سے تیز رفتار طیارے، دیو ہیکل مشین، ریڈیو، ٹیلیویژن، ایٹم اور ہائیڈروجن بم، خلائی سیارے اور اسپیس شپ وغیرہ، یہ سب انہی کوششوں کا نتیجہ ہیں جہاں تک وسائل اور ان کی صلاحیت کے علم کا انکشاف ہوتا ہے۔ وسائل کے پھیلاؤ اور وسائل کی زندگی یا حرکت میں کس حقیقی فارمولے کا عمل دخل ہے۔ اور اس فارمولے کے پیچھے کون سی طاقت کام کر رہی ہے اور اس طاقت سے کام لینے والی ہستی کون ہے، سائنس اس مقام پر خاموش ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مادی دور کی اس ترقی میں براہ راست قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا دخل ہے۔ مثلاً لوہا ہماری ہر ترقی میں داخل ہے آپ اسے کسی جگہ نہ پائیں

Marfat.com

گے ریل کی پٹڑی میں، جہازوں کے تہہ میں مشینوں کی کل پرزوں میں وائرلیس اورخلائی سیاروں میں، اونچی اونچی بلڈنگوں میں، سائنس کی بے شمار مصنوعات میں مسجدوں، مندروں اور گرجاؤں میں کون سی ایسی جگہ ہے جہاں کسی نہ کسی صورت میں ہی سہی اس کے وجود سے انکار کیا جاسکتا ہو۔ قرآن پاک کی زبان میں بتایا گیا ہے۔اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ اور تحقیق میں اس میں انسانی دنیا کی ترقی کے لیے بڑے امکانات ہیں۔ ہماری ذہنی کاوش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ ہم لوہے یا لوہے کی قسم کی دوسری دھاتوں اور ارض پر موجود وسائل سے کس طرح فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ ذہن کو جس طرح حرکت دی جاتی رہی۔ ہمارے سامنے فوائد یا نقصان آتے رہے اور ہم نئی سے نئی اختراع کرنے پر قادر ہوگئے مگر انسان نے اس تلاش میں ہمیشہ کوتاہی کی جس ہستی نے وسائل میں اتنی زبردست صلاحیتیں ذخیرہ کی ہیں وہ کون ہے۔ اوران وسائل کی پیدائش سے اس ہستی کا منشا اور مقصد کیا ہے؟ ہم نے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی ان چیزوں کو کارآمد بنانے کی صلاحیتیں ہمارے ذہن میں کس طرح اور کہاں سے آتی ہیں؟ ذہن اور وسائل کی صلاحیتوں کی باہمی اشتراک کن خطوط پر قائم ہے؟

ایک طرف خود لوہے کی صلاحیت ہے اور دوسری طرف انسان کے ذہن میں اس صلاحیت سے حسب فائدہ اٹھانے کی صلاحیت موجود ہے۔

قرآن کریم کا یہ ارشاد کتنا واضح ہے کہ ہم نے لوہے کو بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ اس لیے پیدا کیا کہ انسان اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے اللہ تعالیٰ انسان کی صلاحیت کا تذکرہ فرما کر یہ بتا رہا ہے کہ انسان قدرت کی ودیعت کردہ صلاحیتوں اور قوتوں کو کام میں لانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہوسکتا ہے آیت مقدسہ میں تفکر کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ موجودات میں ہر شے اپنے اندر دو (۲)

Marfat.com

وصف رکھتی ہے ایک وصف ظاہری اور دوسرا باطنی۔ مثلاً پانی ظاہری طور رقیق اور سیال مادہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی باطنی قوت باوصف اسٹیم ہے جو بڑی سے بڑی مشین کو معمولی جھٹکے کے ساتھ حرکت میں لے آتی ہے کسی بھی درخت کا کوئی بیج باطنی طور پر اپنے اندر بہت بڑا درخت رکھے ہوئے ہے۔ کوئی بھی پھل اور اس کے اندر خوشی اور ذائقہ۔ کائنات میں کوئی وجود اس وصف سے خالی نہیں ہے۔ اور ہر موجود شے دو اوصاف سے مرکب ہے کوئی بھی شخص جب اپنی ذہنی فکر اور کوششوں سے کسی نئی چیز کو عالم وجود میں لے آتا ہے تو اس کی پہلی اور آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ چیز اس کے تعارف کا سبب بن جائے۔ یہ وصف انسان کو اللہ تعالیٰ سے ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کی تخلیق اس لیے کہ میں پہچانا جاؤں۔ حدیث قدسی۔“ اس فرمان خداوندی کے تحت ہر چیز کو وجود میں لانے والی ہستی کا منشاء اور مقصد یہ ہے کہ کائنات میں جس قدر مصنوعات ہیں وہ اس کے تعارف کا ذریعہ قرار پائیں۔ رسالت کا اقرار اور تعلیم ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ انسان اگر اپنے باطنی وصف کے علم کو حاصل کر لے تو وہ موجودت کو وجود میں لانے والی ہستی کو پہچان سکتا ہے۔ جب تک انسان اس مقصد کو پورا نہ کر دے بیشک وہ خسارے اور نقصان میں ہے۔

ذکر کردہ حقائق کی روشنی میں ہمارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم انسان کے باطنی وصف کی تشریح کریں اور یہ بتائیں کہ باطنیوصف سے مراد کیا چیز ہے اور اس علم کو ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی بھی حقیقت کو پوری طرح اس وقت سمجھا جاسکتا ہے جب کہ اس کی اصل سے واقفیت ہو، اصل سے وقوف اس ہی وقت ممکن ہے جب ہم اس کی جزئیات کا پورا پورا علم رکھتے ہوں۔

یہاں زیر بحث انسان اور اس کا باطنی وصف ہے۔ ذہن کا یہ تجسس فطری

Marfat.com

ہے کہ انسان کیا ہے۔ دنیا میں آنے سے پہلے کہاں تھا۔ یہاں پہنچنے تک اسے کن منازل سے گزرنا پڑا۔ اور پھر ایک وقت معینہ کے بعد کسی دوسری منزل کی طرف لوٹ جانے پر کیوں مجبور ہے نہ خود پیدائش پر اس کی اپنی مرضی کا انحصار ہے اور نہ ہی وہ موت پر کسی قسم کے دسترس رکھتا ہے۔ آخر وہ کون سا نظام ہے جس کی گرفت اتنی مضبوط اور مستحکم ہے کہ کائنات کی ہر شے مقید اور محکوم نظر آتی ہے اس کا حل قرآن پاک کی تعلیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ''کن'' یعنی کسی ہستی نے، فرمایا عالم وجود میں آجا جیسا کہ ہمارے ارادہ میں ہے۔'' فیکون، پس وہ کائنات میں موجود ہوگئی۔ ہمارے سوچے سمجھے پروگرام اور منشاء کے مطابق۔ مگر وہ ہم سے اور ہمارے پروگرام سے بے خبر تھی اور اس پر حیرانی کا عالم طاری تھا۔ جب ہم نے چاہا کہ اس کی (کائنات) حیرانی ختم ہو جائے تو ہم نے فرمایا ''الست بربکم'' اے موجودات اس بات کا عہد کر کہ میں تیرا رب ہوں۔

''قالو بلیٰ'' موجودات یا کائنات اور انسان نے کہا جی ہاں ہم اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں عالم موجودات میں جن نے ربانیت اور وحدانیت کا عہد کر کے اپنے مخلوق ہونے کا اعتراف کیا تھا۔ وہی اصل انسان اور اس کا باطنی وصف ہے اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انسان ازل میں ہی منشا الٰہی پورا کرنے کا اقرار اور عہد کر چکا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ انسان اپنے عہد کو کہاں تک پورا کرتا ہے۔ اسے مختلف منازل سے گزر کر باطنی وصف کے ساتھ ایک اور ظاہر وصف (جسم) دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا اور ساتھ ہی بے شمار وسائل (مخلوقات) بطور نشانی پھیلا دیئے تا کہ انسان تفکر کے ذریعہ اس بات کو سمجھ سکے کہ جب اس کے استعمال کی کوئی بھی چیز (وسائل) اس قانون سے باہر نہیں ہے کہ ہر شے دو اوصاف سے مرکب ہے تو پھر انسان اس قانون سے مستثنیٰ کیسے ہوسکتا ہے۔ جس طرح درخت

Marfat.com

کا کوئی بیج اپنے اندر ایک درخت رکھے ہوئے ہے اسی طرح انسان کا یہ مادی جسم اپنے اندر موجود باطنی صلاحیتوں کا تابع ہے جنہیں ہم روح کی صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔ روح کی حرکت ہی دراصل انسانی حرکات وسکنات کا سبب بنتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ حرکت معطل ہو جائے تو انسان کی کوئی بھی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ جسم ایک وقت معینہ کے بعد معطل اور بے کار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جسمانی طور پر اس میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا ہر فرد جسم کے اس تعطل کو موت کا نام دیتا ہے۔ یعنی یہ کہ جسم کو حرکت دینے والی شئے نے اس جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا ہے۔ یہی وہ باطنی رخ یا انسان کا باطنی وصف ہے جس کو ہم روح کہتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پیدائش کے بعد انسان کا تعلق تین نظاموں سے ہے۔ پہلا نظام وہ ہے جہاں اس نے خالق حقیقی کو دیکھ کر اس کے منشاء کو پورا کرنے کا عہد کیا۔ دوسرا نظام وہ ہے جس کو ہم عالم ناسوت، دارالعمل یا امتحان گاہ کہتے ہیں۔ اور تیسرا نظام وہ ہے جہاں انسان کو امتحان کی کامیابی یا ناکامی سے باخبر کیا جاتا ہے انسان کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ اپنی ذات اور اس وصف کا عرفان تلاش کر لے جس نے اللہ تعالیٰ کے روبرو اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر لے گا۔

رسالت ونبوت اس تعلیم کو تصوف یا طریقت کا نام دے کر ہمارے سامنے ان الفاظ میں پیش کرتی ہے من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ مقصد حقیقی کو وہی شخص پا سکتا ہے جو اپنی ذات، باطنی رخ یا روح کا عرفان رکھتا ہو۔ ورنہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق وہ خسارہ اور نقصان میں رہے گا۔

حضرت عبد اللہ حنیف کے دو مرید تھے۔ اور ایک کو احمد کہہ اور دوسرے کو

Marfat.com

احمد مہہ کہہ کر پکارتے تھے۔ اور احمد کہہ کے حال پر زیادہ شفقت تھی۔ دوسرے مریدان سے حسد کرنے لگے حضرت عبد اللہ نے نور فراست سے اُن کے دلوں میں بھرے ہوئے غبار کو دیکھ لیا۔ ایک دن اپنے سب مریدوں کو جمع کر کے اپنے سامنے بٹھالیا۔ پہلے حمد مہہ (جو بڑا تھا) سے کہا کہ خانقاہ کے دروازے پر اونٹ بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو مکان کی چھت پر پہنچائے اس نے کہا حضرت اونٹ جیسا قوی الجثہ جانور مکان کی چھت پر کیسے لے جایا جاسکتا ہے۔ یہ بات تو ناممکن ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں احمد کہہ آگیا۔ اس سے بھی حضرت نے یہی بات فرمائی کہ اونٹ کو چھت پر پہنچا دے۔ احمد کہ آستیں چڑھا کر تعمیل حکم میں لگ گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ اونٹ کو گود میں اوٹھا کر چھت پر لے جائے۔ مگر وہ کسی طرح اٹھا نہیں سکا حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ بس اب بیٹھ جاؤ۔ پھر سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سب صاحبان نے دیکھ لیا کہ احمد کہہ کے اوپر میں کسی لیے زیادہ شفقت کرتا ہوں۔ اس نے میرے حکم کے امکان یا ممکن ہونے پر غور ہی نہیں کیا اور نہ بحث کر کے باتوں میں وقت ضائع کیا۔ مگر بڑے احمد نے ایسا نہیں کیا۔ آپ سب ایسی بات سے اپنے اپنے باطن کا حال سمجھ لیں۔ یاد رکھیں۔ بارگاہ الٰہی میں تکمیل حکم کی قدر کی جاتی ہے۔ عبادت و ریاضت یا کج بحثی کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں ہے، اور یاد رکھو کہ تعمیل حکم ہی اصل عبادت ہے۔

حضرت منصور حلاج، عاشق الٰہی تھے، ہر وقت سوز و فراق میں مست و بے قرار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ جنید بغدادیؒ کی مجلس میں تشریف لائے۔ اور حضرت جنیدؒ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔

مگر حضرت جنیدؒ نے کوئی جواب نہیں۔ اور فرمایا۔ منصور تم بہت جلد قتل کر دیئے جاؤ گے، حضرت منصور حلاج نے کہا۔ میں اس دن قتل کیا جاؤں گا، جس دن

Marfat.com

آپ اپنی مسند سے اُتر کر اہل ظاہر کا لباس پہن لیں گے۔ چنانچہ ''انا الحق'' کہنے پر جب آپ کو گرفتار کیا گیا اور علماء ظاہر نے فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ وقت نے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ کو ہر حال میں فتویٰ پر دستخط کرنا ہوں گے۔ حضرت جنیدؒ نے خانقاہ کی سکونت ترک کر کے علمائے حق (صوفیوں) کا لباس اتار دیا۔ اور مدرسہ میں جا کر علماء ظاہر کا لباس پہن لیا اور فتویٰ پر لکھ دیا کہ ''ہم لوگ ظاہر پر حکم کرتے ہیں۔''

حضرت منصور فرماتے ہیں کہ فقر کے معنی یہ ہیں کہ فقیر ماسویٰ اللہ سے بے نیاز ہو جائے اور مخلوق سے قطعاً کوئی توقع نہ رکھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا۔ حضرت یہ فرمایئے کہ دعا افضل ہے یا عبادت۔ فرمایا ان دونوں کا کوئی مقام نہیں ہے۔ عبادت اور دعا کا ہاتھ دامن مراد سے آگے نہیں بڑھتا اور یہ سلوک کی راہ میں سفر کرنے والے کے لیے شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس لیے یاد کرنا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو سلوک کے مذہب میں کفر ہے۔

جب آپ کے ہاتھ کاٹ کر جدا کر دیئے گئے تو آپ ہنسے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت یہ ہنسی کا کون سا موقع ہے؟ فرمایا۔ آدم کے ہاتھ کاٹ دینا آسان ہے۔ لیکن ایسے لوگ پیدا ہی نہیں ہوئے۔ جو ہمارے ہاتھ کو کاٹ دیں۔ اس کے بعد آپ کے پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ خندہ پیشانی سے فرمایا۔ ان پاؤں کے علاوہ ہمارے اور پیر بھی ہیں۔ ان کو کاٹو تو جانیں۔

شہادت کے وقت ابلیس لعین آپ کے پاس آیا اور کہا میں نے انا خیرو، کہا تو طوق لعنت میرے گلے میں ڈال دیا گیا اور آپ نے انا الحق کی صدا لگائی لیکن آپ کو مقام صدق میں جگہ ملی۔ حضرت منصورؒ نے فرمایا۔ لعین تو نے اپنی طرف سے ''انا'' کا

Marfat.com

لفظ استعمال کیا اور میں نے خودی کو مٹا کر ''انا الحق'' کہا۔ اس لیے مجھ پر رحمت ہوئی اور تجھ پر ابدالا باد کی لعنت۔

حدیث قدسی:

اس طرز فکر کے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں اپنے بندے کو دوست رکھتا ہوں۔ اور میں اس کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتا ہے میرے ذریعے بولتا ہے اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرز فکر کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں بھی بیان فرمایا ہے۔ اور جب حضرت سلیمانؑ نے احتساب کیا اڑتے جانوروں کا تو کہا۔ میں ہد ہد کو غیر حاضر دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ واقعی غائب ہے۔ اگر وہ غائب ہے تو میں اس پر سخت عذاب کروں گا۔ اس کو ذبح کردوں گا اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بیان نہیں کی۔ کچھ ہی دیر بعد ہد ہد نے حاضر ہو کر کہا۔ میں ایک ایسی خبر لایا ہوں، جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ اور میں آپ کے پاس سبا سے آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا ہے۔ جو ملک سبا کی ملکہ ہے اور اس کے پاس سب کچھ ہے۔ اور ایک عظیم الشان تخت ہے وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کرتی ہے، اور شیطان نے ان کو صراط مستقیم سے بھٹکایا ہوا ہے۔ وہ کیوں سجدہ نہیں کرتے اللہ کو، جو نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں۔ اور جانتا ہے کہ جو تم چھپاتے ہو اور جو کچھ کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ پروردگار ہے عرش عظیم کا۔

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ جا اور میرا یہ خط ان کی طرف لے جا۔ پھر ان کے پاس سے ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ہد ہد نے یہ خط ملکہ سبا تک پہنچا دیا۔ ملکہ نے جب یہ خط

Marfat.com

اپنے پاس دیکھا تو خط کو پڑھ کر اپنے درباریوں سے کہا۔ میرے پاس ایک معزز خط ڈال دیا گیا ہے۔ اور یہ خط سلیمانؑ کی طرف سے ہے۔ اور خط کا مضمون یہ ہے۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے الٰہی کا نام رحمٰن ہے اور اسی کی طرف سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ تم کو چاہیے کہ تم میرے مقابلہ میں قوت کا مظاہرہ نہ کرو۔ میری اطاعت قبول کر کے میرے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔"

ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ مجھکو اس کام میں مشورہ دو، تمہیں معلوم ہے کہ میں بغیر تمہارے مشورے کے کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ درباریوں نے کہا۔ ہم لوگ بہت قوت والے ہیں سخت جنگجو ہیں۔ اب آپ سوچ لیجئے کہ آپ کو کیا فیصلہ کرنا ہے۔

ملکہ نے کہا۔ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔ اور یہی سب تمہارے ساتھ ہوگا، اور میں سلیمانؑ کو تحفہ بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں۔ جب قاصد حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچے تو سلیمان نے کہا۔ کیا تم مال و دولت سے مجھے مرعوب کرنا چاہتے ہو؟ جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو تم کو دیا ہے۔ نہیں۔ میں یہ تحفہ قبول نہیں کرتا۔ تمہیں تمہارا تحفہ مبارک ہو۔ واپس جاؤ اور جا کر اپنی ملکہ کو یہ بتا دو کہ ہم ایسے زبردست لشکر کے ساتھ پہنچ رہے ہیں۔ جس کے سامنے تم نہیں ٹھہر سکو گے اور تمہارے ملک کو تخت و تاراج کرنے کے بعد تم کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ملکہ سبا کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ حکم بردار ہو کر میرے سامنے حاضر ہوں۔ جنات میں سے ایک شخص عفریت نے عرض کیا کہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار برخاست کریں میں

Marfat.com

تخت کو بحفاظت حاضر کردوں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں انسانوں میں سے ایک شخص نے کہا ''میرے پاس'' علم الکتاب ہے جس کے تحت اس بات پر قدرت رکھتا ہوں کہ وہ تخت حاضر کردوں، اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے۔ اب جو سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو تخت کو اپنے پاس موجود پایا۔ حاضرین مجلس کی حیرانی کو دیکھ کر اس اللہ کے بندہ نے کہا کہ '' ''یہ علم الکتاب'' مجھے میرے رب کے فضل و کرم سے ملا ہے، اور میرے رب نے یہ علم مجھے اس لیے عطا کیا ہے کہ چاہے میں اس کو استعمال کروں اور چاہے استعمال نہ کروں اور جو کوئی علم کو استعمال کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے اور جو استعمال نہیں کرتا اپنے لیے نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ماوراء ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ایک بندہ کا تذکرہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ کی طرز فکر کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔

بندہ کہتا ہے۔ میرے پاس کتاب کا علم ہے۔ میں اس علم کے ذریعے اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے تخت کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔ عفریت بھی یہی کہتا ہے کہ میں اس سے پہلے کہ آپ دربار برخاست کریں میں تخت کو حاضر کردوں گا اس واقعہ میں بہت ہی لطیف نکتہ پوشیدہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن اور انسان کے درمیان یہ فرق ہے کہ جن خود کو وقت کے ساتھ پابند کئے ہوئے ہے لیکن بندہ نے وقت کی نفی کردی ہے بندہ کا ذہن آزاد اور لامحدود وسعتوں کا مالک ہے اس لیے کہ وہ اس علم کو جانتا ہے جس کا نام ''روح'' ہے۔ یہ بندہ کتاب کے اس علم کو جانتا ہے کہ بشر پتلہ ہے، پتلہ خلا ہے۔ خلا یا بشر میں اللہ کی روح ہے۔ روح اللہ کا امر ہے اور اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے۔

طرز تکوین کے اس بندہ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ صرف یہ

Marfat.com

کافی نہیں ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے اور کام پورا ہو جائے۔

یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ قدم صرف اللہ کے لیے اٹھایا گیا ہے یا اور بھی مصلحتیں شامل ہیں۔ اس میں جنت بھی ایک مصلحت ہے اور بہت سی نیکیاں بھی مصلحت ہیں اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک نہیں پہچانتا، جب تک مقصد صرف اللہ کی ذات نہ ہو۔ اگر ایک آدمی کا مقصد جنت ہے تو جنت اس کو جانتی ہے۔ کہتی ہے آؤ، لبیک۔ اگر ایک آدمی کا مقصد دنیا ہے تو دُنیا اسے جانتی ہے کہتی ہے آؤ، لبیک۔ اللہ کے ساتھ، اللہ کے علاوہ، کوئی دوسرا مقصد یا کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ سے یہ واقعہ منسوب ہے کہ لوگوں نے انہیں دیکھا کہ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لیئے ہوئے دوڑی چلی جا رہی ہیں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے آپ کہاں دوڑی جا رہی ہیں؟ حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ میں آگ سے جنت کو جلا دوں گی اور پانی سے دوزخ کو بجھا دوں گی۔ تا کہ لوگ اللہ کی پرستش کریں جس کو دیکھو جنت کی خواہش اور دوزخ کے خوف سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اللہ کو اللہ کے لیئے یاد کرے۔

موسم بہار میں حضرت رابعہ بصری سے خادمہ نے عرض کیا۔ مکان سے باہر آیئے اور خالق کائنات کی صناعی اور قدرت کا ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تو اندر کیوں نہیں آجاتی کہ خود خالق حقیقی کو دیکھ لے، اور فرمایا میرا کام صنعت کو دیکھنے کا نہیں۔ میں خالق کو دیکھتی ہوں۔

آپ سے لوگوں نے سوال کیا! آپ جس ہستی کی پرستش کرتی ہیں کیا آپ اس کو دیکھتی بھی ہیں؟ فرمایا اگر میں نہ دیکھتی تو پرستش کیسے کر سکتی تھی۔

چند بزرگوں کی ایک جماعت حضرت رابعہ بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ایک بزرگ سے آپ نے پوچھا، تم خدا کی عبادت کس لیے کرتے ہو؟ اس

Marfat.com

بزرگ نے کہا۔ دوزخ کے سات طبق نہایت عظیم ہیں۔ ہر ایک کو اس کے اوپر سے گذرنا پڑے گا۔ خوف کی وجہ سے مجبوراً خدا کی پرستش کرتا ہوں کہ اس نے جنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت رابعہ بصری نے فرمایا۔ وہ بندہ بدترین بندہ ہے، جو کسی خوف یا طمع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ ان لوگوں نے پوچھا آپ عبادت کیوں کرتی ہیں۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ سے کوئی امید نہیں رکھتیں۔

فرمایا۔ دوزخ اور بہشت کا ہونا ہمارے نزدیک یکساں ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہمیں عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت رابعہ بصری کے واقعات بھی اصحاب تکوین کی طرز فکر کے آئینہ دار ہیں۔

من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، پس تحقیق اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اپنا عرفان رکھنے والا شخص ہی خالق کائنات کا عرفان حاصل کرسکتا ہے۔

قرآئن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے ۴۸۴ھ میں غزالی نے اپنی خانگی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ غزالیؒ کا کوئی فرزند نرینہ نہیں تھا صرف دولڑکیاں تھیں۔ مال دنیا میں ان کی بہت تھوڑی سی پونجی تھی۔ طوس میں ان کی تھوڑی سی زمینداری تھی اوران کا گھرانہ اسی معمولی سی زمینداری پر قناعت اور فقیرانہ صفات کے ساتھ گزر بسر کرتا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں کسی چیز کی احتیاج نہ تھی۔ انہوں نے کبھی کسی سے کوئی عطیہ امداد یا نذرانہ قبول نہ کیا۔

آپ انہی کاموں میں مصروف تھے کہ ناگہاں پیام اجل پہنچا اورطوس کے ایک مقام طاہران میں جو ان کا وطن تھا۔ دو شنبہ یعنی اتوار کو صبح چار جمادی الآخر ۵۰۵ھ بمطابق ۱۱۱۱ء میں وفات پاگئے اور وہیں دفن ہوئے۔

Marfat.com

امام غزالیؒ کی وفات کے وقت ان کے بھائی امام احمد غزالیؒ موجود تھے ان کا قول ابن جوزی نے کتاب ''الثبات عند الممات'' میں نقل کیا ہے۔

''میرے بھائی ابو حامد نے دوشنبہ کے دن صبح کے وقت وضو کیا اور فریضہ نماز ادا کیا۔ پھر کفن مانگا اور اسے بوسہ دیا۔ اور ارشاد فرمایا ''بسر وچشم'' اس کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے لیٹ گئے اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔'' انا للہ وانا علیہ راجعون۔

Marfat.com

شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۵۲۹ھ

وفات: ۶۳۲ھ

عمرعزیز: ۹۳ سال

ابتدائی حالات

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ماہ شعبان ۵۲۹ھ میں زنجان کے ایک گاؤں سہروردیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب تیرہ واسطوں سے خلفۃ الرسول سید حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے تایا حضرت عبد القادر ابو نجیب سہروردی فخر زمانہ یگانہ تھے۔ آپ نے جب اپنے بھتیجے کی پیشانی میں رسول اکرم ﷺ کی مطابقت کا نور دیکھا تو اس سے بے حد شفقت و محبت فرماتے۔ چنانچہ بغداد شریف میں آپ نے اپنے تایا کی زیر ہدایت تحقیق علوم وفنون حاصل کیا۔

شیخ کی مجلس میں بیٹھنا

ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

''سب کو ڈھونڈنا اور سوال کرنا عوام کا رُتبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ مسلوب الاختیار اور غیر اللہ سے ناواقف ہوتا ہے اور اللہ ہی کے فعل کا نظارہ کرنے والا اور اُسی کے حکم کا منتظر ہوتا ہے۔ جب یہ حالت ہوتی ہے تو عطا کا دروازہ اس کی طرف کھل جاتا ہے اور تجلیات الٰہی کا بطریق افعال کشف ہونے لگتا ہے جو قرب کا ایک درجہ ہے اس کے بعد وہ تجلی بطریق الصفات اور پھر تجلی بالذات تک پہنچتا ہے۔

Marfat.com

تجلی بطریق الصفات سے ہیبت وانس پیدا ہوتا ہے اور تجلی بالذات سے فنا اور بقا نصیب ہوتی ہے۔"

تھوڑی دیر آپ نے سکونت فرمایا اور پھر گویا ہوئے۔"مرید کو چاہیے کہ شیخ کی مجلس میں خاموش بیٹھا رہے اور جب خود شیخ حکم فرمائے تو کلام کرے۔ شیخ طالب کی نگاہ اپنے قول کی طرف چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ طالب اس کے قول کو سمجھتا اور اس پر اعتبار کرتا ہے۔قول کی مثال تخم کی سی ہے اگر تخم خراب ہوتا ہے تو نہیں اُگتا۔ کلام کے تخم کو خراب کرنے والی شے ہوائے نفس ہے۔ شیخ طالب کو اس کھوٹ سے پاک و صاف کرتا ہے اور اُسے اللہ تبارک تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کا کلام حق کے ساتھ حق ہے اور حق کے واسطے ہوتا ہے۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے لیے شیخ کی منزلت سے بالاتر کسی رُتبہ کی تمنا نہ کرے بلکہ ہر منزلت کا شیخ ہی کے لیے خواستگار ہو اس ادب وارادت سے مرید کو زیادہ مل جاتا ہے جو وہ خود اپنے لیے چاہتا ہے۔"

سالک سے متعلق ایک سوال کے جواب میں آپ نے اپنے گوہر افشانی فرماتے ہوئے کہا کہ سالک پہلے اعمال سے شروع کرتا ہے پھر اس کے اوپر احوال طاری ہوتے ہیں اور وہ اس طرف ترقی کرتا ہے۔ بعد ازاں وہ اعمال و احوال کا جامع بن جاتا ہے جو انتہا ہے اس وقت اس کی روح باری تعالیٰ کی طرف مجذب ہوتی ہے اور قلب نفس سے اور نفس قالب سے کہتا ہے کہ میرا حکم مان۔ بس یہ تینوں قائم باللہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت روح محبت تمام اجزاء میں سرایت کرتی ہے۔ کہیں اُسے ذکر و تلاوتِ کلامِ الٰہی سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے محبوب رکھتا ہے تو ساری مخلوق بھی اُسے محبوب رکھتی ہے۔

ہر حال میں راضی برضا ہونا

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ خلائق پر سے اپنی

Marfat.com

آنکھ کو بند رکھا کرتے تھے لیکن اس کی وجہ دریافت کرنے کا کسی میں حوصلہ نہ تھا البتہ مریدین مرشد کی ایک ایک بات اور ایک ایک عمل میں حکمتوں کے خزانے تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن آپ سے اس طرزِ عمل کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خلق اللہ میں سے کسی کے عیب میری نظر میں نہ آئیں۔ اس لیے آنکھ بند رکھتا ہوں۔

بزرگانِ دین اور اولیائے عظام پر قبض وبسط کے مقامات آتے رہتے ہیں اور وہ ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں۔ جب قبض ہو تو صبر اور بسط ہو تو شکر ادا کرتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان بھی ہے۔ حضرت امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو بعض حجابات پیش آئے اور ان پر قبض کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسی حال میں ان کے پاس شیخ ناظم رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ نے ان سے کہا کہ وہ ابن خارضؒ کے دیوان میں سے کوئی شعر سنائیں۔ انہوں نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور آپ بڑے انہماک سے سنتے رہے۔ جب انہوں نے وہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ ہے۔

"مجھے خوشخبری ہو اس بات کی جس کا میں اہل سزاوار نہیں تھا۔ خوشخبری سنانے والے کی بات ناامیدی کے بعد خوشی کی بات ہے۔ تجھ کو بشارت ہو۔ رب کریم نے سب غم دور کر دیئے ہیں کیونکہ بیشک تیرا ذکر محبوب کے حضور میں باوجود تیری کجی اور قصور کے کیا گیا ہے۔"

تو حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ پر عالم کیف طاری ہو گیا۔ آپ کھڑے ہوگئے اور وجد کرنے لگے۔ اس وقت جتنے شیوخ و مریدین وہاں تشریف فرما تھے سب وجد میں آگئے۔ چنانچہ شیخ ناظم رحمتہ اللہ علیہ پر خود آپ نے اور حاضرین محفل نے خلعتیں نثار کیں جو چار سو کے قریب جمع ہوگئیں۔ لہٰذا اللہ کے فضل و کرم سے آپ کی قبض، بسط میں تبدیل ہوگئی اور پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہزاروں دینار آپ

Marfat.com

کے پاس آتے جنہیں راہ اللہ میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں چند روز حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی خانقاہ میں رہا ہوں۔ ہر روز تقریباً دس ہزار دینار فتوح آتی تھی مگر شام تک ایک پیسہ بھی نہ بچتا تھا۔ سارے کا سارا حاجت مندوں، غرباء و مساکین وغیرہ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی کوئی مشکل در پیش آتی تو حق تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تو اللہ جل شانہ اپنے کرم سے اُس کی مشکل کو حل فرما دیتا اور جو امر حق ہوتا وہ آپ پر منکشف کر دیا جاتا تھا۔

روح پرور واقعات

انہوں نے اپنے مریدین سے کہا کہ ہم حضرت شیخ علی کردیؒ کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ ان دنوں آپ جنگل میں رہتے تھے حالانکہ ابتداء آپ جامع مسجد میں قیام پذیر تھے۔ اتفاق سے ان دنوں یاقوت نامی ایک مجذوب دمشق میں آ گیا تو آپ شہر سے باہر جنگل میں تشریف لے گئے۔ اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ مریدین نے جب سنا کہ ان کے مرشد حضرت علی کردیؒ سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہیں عرض کیا۔

”یا حضرت! وہ تو ایک ایسا شخص ہے جو ہر وقت ننگا رہتا اور نماز بھی نہیں پڑھتا ہے۔ آپ اس سے مل کر کیا کریں گے؟“

”جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے کہ بارگاہ ایزدی میں اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔“

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اور سوئے جنگل چل پڑے۔ جب آپ حضرت شیخ علی کردیؒ کی رہائش گاہ پر پہنچے تو سواری سے اُترے۔ جب شیخ علی کردی نے آپ کو دیکھا کہ قریب آ گئے ہیں تو فوراً ستر ڈھانپ لیا۔

”تمہاری یہ حالت ہم کو ملاقات سے نہیں روک سکتی آج تم ہم تمہارے

Marfat.com

مہمان ہیں۔"

حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا، قریب آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اسی وقت کچھ لوگ وہاں آئے۔ ان کے پاس کھانا تھا۔ حضرت شیخ علی کردیؒ نے ان سے کہا تم یہ کھانا حضرت شیخ کے سامنے رکھ دو آج یہ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رازو نیاز کی باتیں کرتے رہے اور پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔

بازار میں بڑی گہما گہمی تھی۔ دُکانوں پر خریداروں کی بھیڑ تھی لیکن اس کاروبار حیات سے بے نیاز حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبد القادر سہروردی قدس اللہ سرہٗ نظریں نیچی جھکائے چلے آرہے تھے۔ آپ کے چہرے سے بزرگی اور پیشانی مبارک سے معرفت الٰہیہ کا نور جھلک رہا تھا۔ آپ کے لب آہستہ آہستہ ہل رہے تھے جیسے اللہ تبارک تعالیٰ کے اسم پاک کا ورد کر رہے ہوں۔ آپ کے ہمراہ بھائی کا جواں سال بیٹا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بھی تھا۔ اُسے بھی اپنے تایا کی طرح لوگوں کے ہجوم سے کوئی غرض و غایت نہ تھی۔ تھوڑی دور ایک قصاب کی دُکان تھی جہاں بکری کا گوشت لٹک رہا تھا۔ حضرت ابو النجیب سہروردیؒ اس کے سامنے جا کر رُک گئے۔ تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتے رہے۔ بھتیجا بھی پاس کھڑا حیران کن نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آج تایا جان کو کیا ہو گیا ہے لیکن وجہ دریافت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ چندے توقف کے بعد گویا ہوئے۔

"یہ بکری کہہ رہی ہے کہ میں مردہ ہوں، مجھے حلال نہیں کیا گیا۔"

قصاب نے جب سنا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور پھر غش کھا کر گر پڑا۔ بھتیجا کبھی اپنے تایا اور کبھی بے ہوش قصاب کی طرف دیکھتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُسے ہوش آیا تو اُس سے اس امر کی تصدیق کردی کہ بکری کو واقعی حلال

Marfat.com

نہیں کیا گیا تھا اور پھر اس نے حضرت شیخ سہروردیؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آپ نے اس کے لیے دعائے خیر کی اور چل پڑے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے لکھا کہ اگر میں ترک عمل کرتا ہوں تو میرے اندر بطالت و سفاہت پیدا ہوتی ہے اور اگر عمل کرتا ہوں تو غرور و تکبر کرنے لگتا ہوں بتائیے اس صورت میں کیا کروں۔ آپ نے اُسے جواباً تحریر کیا کہ تم عمل جاری رکھو۔ اور تکبر وغرور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔

معرفت الٰہیہ کے لیے آپ نے بے حد حساب مشقتیں اُٹھائیں اور ریاضتیں کیں۔ رزقِ حلال کے لیے آپ لوگوں کا پانی بھرا کرتے تھے اور اس طرح لواحقین کی کفالت فرماتے تھے۔ آپ کو خرقۂ خلافت اپنے تایا کے علاوہ حضرت ابو محمد عبداللہ بصریؒ اور حضرت ابو مدین مغربیؒ سے بھی حاصل ہوا۔

ایک مرتبہ آپ اپنے پیرو مرشد حضرت شیخ ابو النجیب سہروردیؒ کے ہمراہ حرم کعبہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے مرشد مشغول بحق ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے لیکن آپ ذکر میں مصروف رہے۔ قدرے توقف کرنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے گئے۔ جب آپ کے مرشد نے فراغت پائی تو مرید خاص اور بھتیجے نے بتایا تو آپ نے فرمایا۔

حق کے ساتھ جو میرا وقت گزرا ہے وہ اگر چلا جاتا تو پھر لوٹ کر نہ آتا۔"

روحانی توجیہہ:

حضرت شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ شریعت، طریقت اور معرفت میں فرق ہوتا ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے آپ کے اس قول کی یوں روحانی توجیہہ فرمائی ہے۔

Marfat.com

مخصوص(Heat) پیدا نہ ہوتو آٹا نہیں بنتا۔ چکی چلے بغیر آٹا نہیں بنے گا
آپ نے دیکھا ہوگا جب آٹا پستا ہے آپ ہاتھ لگا کر دیکھیں اچھا خاصا گرم ہوتا ہے
انگلیاں جل جاتی ہیں۔ پھر وہ گرم آٹا ٹھنڈا ہوا پھر آپ نے اس آٹے کو گوندھا اس
میں پانی جذب کیا اس کو توے پر ڈالا۔ یہ ساری چیزیں مقداروں کے علاوہ کچھ نہیں
اب ہم جو کچھ بھی کھا رہے ہیں مادی اعتبار سے تو ہم (Matter) کھا رہے ہیں۔
لیکن روحانی نقطۂ نظر سے کوئی آدمی (Matter) نہیں کھا رہا انسان خود روشنیوں کا بنا
ہوا ہے روشنی روشنی کو کھا رہی ہے یا یوں کہیں کہ روشنی روشنی کو جذب کر رہی ہے یہی
وجہ ہے جتنی ہم خوراک کھاتے ہیں اس کے حساب سے ہمارا وزن نہیں بڑھتا۔

کوئی چیز مقدار کے بغیر نہیں ہوتی اور مقدار روشنیوں کے علاوہ کچھ نہیں
ہوتی تو روشنی کو کوئی نہ کوئی الگ نام ضرور دینا پڑے گا اگر آپ کسی ذریعہ سے سیب
کی، گیہوں کی، پپیتے کی جو مقداریں ہیں ان کو آپ دیکھ کر سمجھ کر اپنے اندر ذخیرہ
کرلیں تو یہ بات صحیح ہے کہ آپ کو کھانے کھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔
جنت میں بھی (Matter) نہیں ہے اسی لیے جنت میں بول وبراز نہیں ہوتا۔
پاخانہ، پیشاب نہیں ہوتا۔ جنت میں چیزیں تو سب ہیں دودھ بھی ہے، پھل بھی ہیں،
شہد بھی ہے، پانی بھی ہے۔ غذائی انتظام وہاں سارا کا سارا ہے لیکن وہاں ہر چیز
روشنی سے بنی ہوئی ہے۔

جب ہم قرآن پاک کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے اندر تفکر کرتے ہیں۔
ایک تو اس طرح مطالعہ کرنا ہے کہ پڑھتے جائیں اور قرآن پاک میں غور وفکر کر کے
اس کی حکمت کو تلاش کیا جائے۔ یہ اصل میں قرآن کا منشاء ہے جو بندے قرآن پاک
کو ترجمہ کے ساتھ پڑھ کر اس میں حکمت تلاش کرتے ہیں ان کے سامنے یہ بات آتی
ہے کہ قرآن میں بے شمار علوم بیان کئے گئے ہیں ان کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا

Marfat.com

ہے۔ ان میں سے ایک حصہ اس بارے میں ہے کہ حیوان میں اور انسان میں کس طرح امتیاز قائم ہو اور اس امتیاز کو قائم کرنے کے لیے انسان کو کیا کرنا ہے مثلاً جہاں تک زندہ رہنے کا تعلق ہے ایک بھینس بھی زندہ رہتی ہے، اسے بھی بھوک لگتی ہے۔ پیاس لگتی ہے۔ وہ بھی پانی پی کر پیاس بجھاتی ہے بھینس کے بھی بچے ہوتے ہیں بھینس اپنے بچے کو دودھ بھی پلاتی ہے جس طرح انسان اپنے بچے کو دودھ پلاتا ہے بھینس اپنے بچے کی تربیت بھی کرتی ہے پرورش بھی کرتی ہے بھینس کو گرمی، سردی بھی لگتی ہے اوراس کو نہانے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ اب ہم انسان کی اور بھینس کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں ساری باتیں ایک سی نظر آتی ہیں لیکن جب ہم قرآن پاک کی آیات میں تفکر کرتے ہیں تو باوجود یہ کہ انسان اور حیوان کی زندگی یکساں ہے انسان ایک ممتاز مخلوق بن کر سامنے آتا ہے اور قرآن یہ بتاتا ہے کہ انسان کس طرح زندگی گزارے کس طرح پاکیزگی اختیار کرے کس طرح ہمسایوں کے حقوق پورے کرے حصول معاش میں اس بات کا خیال رکھے کہ دوسروں کا حصہ نہ مارا جائے۔ دوسروں کی حق تلفی نہ ہو، بے ایمانی نہ ہو۔ بچوں کی تربیت کیسے ہو۔ انسان عبادات کیسے کرے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے حصہ میں تاریخ بیان کی گئی کہ نوع انسانی میں کس قسم کے لوگ پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی باتیں ان پیغمبروں کی کیا تعلیمات تھیں۔ لوگوں نے ان پیغمبروں کو کس حد تک سنا اور کس حد تک رد کیا لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اللہ کی بات نہیں سنی بلکہ اللہ کے فرستادہ پیغمبروں کو قتل بھی کیا وغیرہ وغیرہ اوران تاریخی حقائق میں یہ بات سامنے آئی کہ قوموں کا عروج و زوال اس بات پر منحصر ہے کہ قومیں کتنی جدوجہد کرتی ہیں۔ کتنی کوشش کرتی ہیں۔ تیسرا حصہ معاد کہلاتا ہے۔ روح کیا ہے؟ اس حصہ میں ساری گفتگو روح پر ہے۔ کہاں بنی کیسے بنی روح کے کتنے روپ ہیں۔ عالم ارواح میں اگر روح تھی تو زمین تک آنے میں اس کو کن کن مدارج سے گزرنا پڑا پھر

Marfat.com

اس دنیا میں آنے کے بعد کن کن مدارج سے آدمی گزر کر بوڑھا ہوا اور بالآخر مر گیا۔ مرنے کے بعد کہاں چلا گیا اور مرنے کے بعد کی زندگی کا نقش پھر انسان اس طرح زندہ ہو جائے گا جس طرح مرنے سے پہلے تھا۔ حساب کتاب ہو گا، حشر نشر ہو گا، جنت دوزخ وغیرہ وغیرہ تو قرآن کے تین حصے ہمارے سامنے آئے ایک حصہ یہ کہ انسان اللہ کی منشاء پر چلتے ہوئے پاکیزہ زندگی کس طرح گزارے۔ دوسری تاریخ اور تیسرا حصہ معاد۔ معاد کا جو حصہ ہے اس میں سب سے پہلی بات یہ کہ انسان فی الواقع گوشت پوست کے جسم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ جان لینے کے بعد کہ گوشت پوست کا جسم اصل نہیں بلکہ اس کی روح اس کا اصل ہے۔ یہ علم جاننا بہت ضروری ہے کہ روح کیا ہے جب آپ نے روح کو سمجھ لیا تو یہاں یہ سوال پید ہوا کہ روح بنانے والا کون ہے۔ جب روح کے بنانے والے کے بارے میں آپ سوچیں گے تو اسی ہستی کو آپ ڈھونڈیں گے۔ یہ کھوج لگانا اور تلاش کرنا یہ سب طریقت کے دائرے میں آتا ہے انسان حیوانات سے ممتاز ہو کر زندگی گزارے۔ اچھائی، برائی، حلال وغیرہ یہ سب شریعت ہے شریعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے لیے وہ لائحہ عمل منتخب کرے جس لائحہ عمل سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ انسان کو متعارف کرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل سلیم عطا کی وہ عقل سلیم اس کو کہتی ہے کہ تو سوچ اور تلاش کر کہ پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا اور مرنے کے بعد تو کہاں چلا جاتا ہے اور تو پیدا کیوں ہوتا ہے اور چاہتا یہ ہے کہ میں کبھی نہ مروں مگر تو مر جاتا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ اپنی مرضی سے تو پیدا بھی نہیں ہو سکتا ہے اپنی مرضی سے تو زندہ بھی نہیں رہتا آخر پھر تیرے آنے کا یہاں مقصد کیا ہے۔ تیرا تو اپنا کوئی اختیار ہی نہیں ہے پیدائش پر تجھے اختیار نہیں ہے موت کو کچھ وقفہ کے لیے ملتوی کرنے کا تجھ کو اختیار نہیں ہے۔ جب کوئی ہستی چاہتی ہے تو، تو پیدا ہو جاتا ہے اور جب کوئی ہستی چاہتی ہے تو، تو مر

Marfat.com

جاتا ہے اب لامحالہ ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ گورکھ دھندا کیا ہے ہمیں پیدا کیوں کیا گیا ہے۔ اگر ہمیں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ کھانا کھائیں، ہماری اولاد ہو ہم ماں باپ بنیں۔ تو چڑیا بھی ماں باپ بن رہی ہے چڑیا بھی کھا پی رہی ہے چڑیا بھی سارے کام کر رہی ہے چڑیا بھی عبادت کر رہی ہے اگر انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ گھر بنائے تو چڑیا بھی گھونسلہ بنا رہی ہے، چوہے بھی اپنا بل بناتے ہیں۔ عقل سلیم کے تحت جب انسان اپنا اور حیوانات کا موازنہ کرتا ہے کہ میں بھی پیدا ہو رہا ہوں حیوان بھی پیدا ہو رہا ہے میں بھی بچہ ہوں حیوان بھی بچہ ہے حیوان بھی جوان ہے میں بھی جوان ہوں۔ حیوان بھی مر رہا ہے میں بھی مر رہا ہوں تو اس کے پیچھے کیا بات ہے تو یہ جو تلاش ہے اپنی تلاش اپنی روح کی تلاش اپنے پیدا کرنے والے کی تلاش کائنات کی تلاش یہ جو ہے یہ سب طریقت ہے اس تلاش کے نتیجے میں جب آپ اس ہستی کو پہچان لیتے ہیں اس ہستی سے واقف ہو جاتے ہیں اس ہستی کا آپ تعارف حاصل کر لیتے ہیں جس ہستی نے آپ کو بنایا ہے اس کا نام معرفت ہے۔ شریعت، طریقت اور معرفت یہ تینوں چیزیں اس طرح ہیں اب یہ کہ کوئی انسان شریعت کے بغیر حیوانات سے ممتاز نہیں ہو سکتا ہے شریعت کے بغیر کسی انسان میں عقل سلیم نہیں پیدا ہوتی ہے مثال ہمارے سامنے ہے ہمارے سامنے جو سائنس دان ہیں کیا ٹھکانہ ہے ان کے دماغوں کا کہ وہ آسمانوں میں بھی چلے گئے اور جین جیسی چیز انہوں نے دریافت کر لی لیکن چونکہ عقل سلیم ابھی پیدا نہیں ہوئی اس لیے ہر چیز کو وہ اتفاق کہتے ہیں ہر چیز حادثاتی اور اتفاقی طور پر ہو گئی باوجود اس کے کہ نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں وہ اس بات کا برملا اظہار نہیں کرتے کہ کوئی ہستی ایسی ہے کہ جس نے ہر چیز بنائی ہے وجہ یہ ہے کہ ان کا زندگی کا جو رہن سہن زندگی گزارنے کا انکا جو پروگرام ہے اس میں پیغمبروں کی تعلیمات نہیں ہیں جن تعلیمات کا نام شریعت ہے۔ عقل سلیم

Marfat.com

حاصل کرنے کے لیے پیغمبروں اور حضورؐ کا دیا ہوا پروگرام ضروری ہے۔ شریعت کا علم اور عقلِ سلیم حاصل ہونے کے بعد کائنات کا کھوج لگانا ضروری ہے اور کائنات کا کھوج لگانے کے بعد اللہ کا عرفان ضروری ہے۔ بڑے پیر صاحب کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے وہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک دم آسمان میں چکا چوند ہوئی اور ذہن میں یہ بات آئی کہ میں نے نور دیکھا ہے روشنی دیکھی ہے اس میں سے آواز آئی کہ اے عبد القادر ہم نے تم پر نماز معاف کر دی۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ کے اوپر تو نماز معاف نہ ہوئی جبکہ وہ معصوم بھی ہیں میرے اوپر نماز کیسے معاف ہو گئی اگر ان کو شریعت کا علم نہ ہوتا تو کبھی بھی ان کے ذہن میں یہ بات نہ آتی کہ حضورؐ معصوم ہیں اور جب ان کے اوپر نماز معاف نہ ہوئی تو کسی اور کے اوپر نماز کیسے معاف ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا تو شیطان ہے۔ انہوں نے لاحول پڑھی پھر آواز آئی کہ تجھے تیرے علم نے بچا لیا۔ پھر یہ خیال آیا کہ حضورؐ کے متعلق یہ خیال اگر اللہ میرے ذہن میں نہیں ڈالتا تو میں کیسے بچتا میرا تو علم ناقص ہے اور یہ خیال میرے ذہن میں نہیں آتا انہوں نے پھر توبہ استغفار کی تو بڑے پیر صاحب کے واقعے سے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ جس طرح شریعت کا علم ہمارے لیے ضروری ہے اسی طرح طریقت کا علم بھی ضروری ہے۔ نماز ایک بنیادی رکن ہے 100 دفعہ نماز کے بارے میں قرآن میں تذکرہ آیا ہے۔ اب اس کے بعد جب آپ نے نماز کی نیت باندھی اب نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہو جانا یہ طریقت ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ نماز میں تعلق قائم نہیں ہوا وہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق ہرگز نماز نہیں ہے اللہ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ ہلاکت ہے ان نمازیوں کے جو نماز نہیں پڑھتے وہ تو

Marfat.com

بات ہی الگ ہے نماز تو ایک رکن ہے بات تو یہ ہے کہ ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں حالانکہ وہ نماز تو پڑھ رہے ہیں لیکن ان کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں تو نماز کا پڑھنا اور نماز کے لیے کھڑے ہو جانا۔ نماز کے آداب پورے کرنا یہ سب شریعت ہے اور نماز کے اندر ذہنی یکسوئی قائم ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم ہو جانا حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دیکھنا یا اللہ کا بندہ کو دیکھنا، اللہ کو پکارنا اور اللہ کا اس پکار کو سن کر جواب دینا یہ سب طریقت ہے۔ صرف اسلام قبول کر لینے سے کوئی انسان مومن کے درجہ پر فائز نہیں ہوسکتا۔ مسلمان ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ ''یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مسلمان بے شک ہیں لیکن ابھی ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے۔'' مسلمان ہونا شریعت پر عمل کرنا ہے مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم کر لینا تمام ارکان کو پورے کرتے ہوئے یہ ایمان ہے اور ایمان کی تکمیل کے بعد جو مرحلہ ہے وہ عرفان ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے تو یہ جو شریعت، طریقت اور تصوف کی بات ہے یہ کوئی لمبی چوڑی نہیں ہے سیدھی سی بات ہے شریعت آداب ہیں اس راستہ پر چلنے کے لیے جو راستہ آدمی کو عرفان تک لے جاتا ہے آپ راستے کے آداب سے واقف نہ ہوں یہ پتہ نہ ہو کہ کہاں سے مڑنا ہے کہاں جانا ہے کیا سائن ہے سگنل کہاں ہے آپ سارے راستے چلتے رہیں گے منزل تک نہ پہنچیں گے۔ راستے کے آداب یہ ہیں کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ سڑک کدھر جاتی ہے اور اگر آپ دائیں بائیں مڑ گئے تو کہاں پہنچیں گے اور اگر آپ راستے کے آداب سے واقف نہیں ہیں تو آپ کا پہنچنا مشکوک ہے پہنچ ہی نہیں سکتے۔ کبھی ادھر مڑ جائیں گے، کبھی ادھر مڑ جائیں گے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کا مطلب یہ ہے کہ ''یا اللہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔'' آپ سیدھے راستے کی ہدایت مانگتے ہیں۔

Marfat.com

ہر نماز کی ہر رکعت میں آپ الحمد شریف میں پڑھتے ہیں تو جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے تو کیا آپ صراط مستقیم پر نہیں ہیں تو کیا آپ نماز پڑھنے کے باوجود سیدھے راستے پر نہیں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہم شریعت کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے تیرے حضور میں کھڑے ہو گئے ہیں یا اللہ اب ہم کو طریقت کے راستے پر چلا تاکہ ہم طریقت کے راستے پر چلتے ہوئے آپ کا عرفان حاصل کریں اور ہمارے اوپر انعام کر ہمیں ان لوگوں میں شمار نہ کیجئے جن سے آپ ناراض ہیں بلکہ ہمیں ان لوگوں میں شمار کر لیجئے جن سے آپ راضی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر ابھی تو ان کے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ تو اسلام لانا الگ چیز ہے اور ایمان دل میں داخل ہونا الگ چیز ہے۔ آپ دن میں کتنی بار دوسرا کلمہ پڑھتے ہیں جس کا مطلب گواہی دینا ہے کیا آپ بغیر دیکھے گواہی دے رہے ہیں۔ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں۔ آپ کی یہ دنیاوی اعتبار سے تو بغیر دیکھنے گواہی تسلیم نہیں کی جاتی ہے۔ یہ دنیاوی معاملات بغیر دیکھئے گواہی کے عدالت تسلیم نہیں کرتی تو اللہ آپ کی گواہی کیسے تسلیم کرے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ اللہ کو دیکھ چکے ہیں اور سب اس کی ربوبیت کا اقرار کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو پیدا کیا تو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہہ کر اپنا دیدار آپ کو کرایا اور آپ نے دیکھ کر اس کی آواز سن کر یہ کہا کہ قَالُوْ بَلٰی ہاں ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں آپ دیکھیں تو سہی۔ بات کیا ہے نظروں پر ہماری پردہ پڑا ہوا ہے۔ نفس کا پردہ۔ اسی کو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا تو اپنے آپ کو جان لو پہچان لو اس پردہ کو دیکھ لو جس پردہ نے تم کو اور تمہارے رب کو الگ کر دیا ہے اور جیسے ہی تم اس پردہ کو ہٹاؤ گے رب تمہارے سامنے ہوگا۔ شریعت کے بغیر طریقت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ شریعت اور طریقت کے بغیر عرفان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اپنے آپ کو پہچاننے

Marfat.com

اوراپنے رب کو پہچاننے کے لیے یہ تینوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔

وفات

حضرت شیخ سہروردی نے آخری مرتبہ حج ۶۲۸ھ میں کیا آپ کے اس سفر میں اہل عراق کثیر تعداد میں آپ کے ہمراہ تھے۔آپ یکم محرم ۶۳۲ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اقوال وارشادات

۱۔ انسان کا اکیلا رہنا بہتر ہے بُرے ساتھی اور اچھے ساتھی سے۔

۲۔ انسان کا مرتبہ کوئی کم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ خود اپنی قدر نہیں کرتا۔

۳۔ یقین کے اسرار ایسے ہوتے ہیں جن کو الفاظ کا جامعہ نہیں دیا جاسکتا۔

۴۔ آپ فرماتے ہیں کہ شریعت اور طریقت اور معرفت میں فرق ہوتا ہے۔

Marfat.com

حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۶۴۹ھ

وفات: ۷۳۵ھ

عمر عزیز: ۸۶ سال

ابتدائی حالات

حضرت شاہ رکن عالم ۹ رمضان المبارک ۶۴۸ھ میں بروز جمعہ المبارک پیدا ہوئے۔ آپ بے حد ذہین تھے آپ نے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ پھر آپ مجاہدے اور ریاضیت کی طرف راغب ہوئے مراقبے میں بے پناہ جوش اور المناک ہوتا تھا۔ آپ نے سات سال کی عمر میں ہی نماز باجماعت ادا کرنی شروع کردی اور شیخ بہاالدین آپ کو زیادہ تر اپنی صحبت میں رکھتے اور دل و جان سے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں مگن رہتے۔ آپ چاہتے تھے کہ معرفت کا یہ آفتاب ان کے سامنے ہی نصف ایثار تک پہنچ جائے اس لئے آپ اپنی نگرانی میں انہیں تمام مراحل طے کروا رہے تھے۔

روح پرور واقعات

ایک دن ایک بوڑھی سی عورت اپنے بچے کو ہاتھ میں اُٹھائے شیخ بہاالدین زکریا کی خانقاہ میں روتی ہوئی داخل ہوئی اور بچے کو آپ کے قدموں میں لٹا کر کہنے لگی۔ ''حضرت یہ مر رہا ہے۔ اسے بچالیں یہی میرا دُنیا میں آخری سہارا ہے۔''

شیخ بہاالدین زکریا نے بچے کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا ''بی بی تیرا بچہ

Marfat.com

اب اپنے خالق کے پاس جا چکا ہے۔ اب تو میں صرف دُعائے خیر ہی کر سکتا ہوں اس کے لیے۔"

اُس عورت نے یہ سنا تو غم میں نڈھال ہوگئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ آپ نے اُسے تسلی دینے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ قسمت کی ماری بچے کو اُٹھائے روتے روتے حجرے سے باہر نکل گئی۔ خانقاہ کے صحن میں بہت سے بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ انہی میں رکن الدین بھی تھے جو ابھی چار سال کے بھی بمشکل ہوں گے۔ انہوں جو دادا کے حجرے میں سے اس بوڑھی عورت کو ہاتھ میں لاش تھامے روتے ہوئے باہر نکلتے دیکھا۔ تو سب کچھ چھوڑ کر اس کی طرف تیزی سے لپکے اور اُس بوڑھی عورت سے پوچھنے لگے "اماں...... کیا بات ہے کیوں روتی ہو؟"

وہ بوڑھی عورت آنکھوں میں آنسو بھرے مسرت سے آپ کو دیکھتے ہوئے بولی "بیٹا میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے دادا بہا الدین زکریا کے در سے آج تک کوئی خالی نہیں گیا لیکن مجھ بدنصیب کو دیکھو جو اس در سے خالی ہاتھ جا رہی ہے۔ اپنی اس بدنصیبی پر روؤں نہیں تو اور کیا کروں۔"

یہ سن کر رکن الدین بولے "اماں...... لیکن تم نے کس بات کی خواہش کی تھی جو دادا نے...... اللہ سے قبول کروانے سے معذوری ظاہر کی ہے۔"

وہ دُکھی عورت بولی "بیٹا میرا بچہ مر رہا تھا۔ میں نے اس امید پر تمہارے دادا کے پاس لائی تھی کہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اُس کی دعائے طفیل میرا بچہ بچ جائے گا۔ لیکن اپنے بچے کو تندرست لے جانے کے بجائے مردہ لیے جا رہی ہوں۔"

رُکن الدین نے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اماں...... کیسی بات کہہ رہی ہو۔ تمہارا بچہ تو زندہ ہے اور تم اسے مردہ تصور کر رہی ہوں۔"

عورت نے حیرت سے چونک کر آپ کو دیکھا پھر جلدی سے جھک کر اپنے

Marfat.com

بچے کو دیکھنے لگی جو اُس کے ہاتھوں میں آنکھیں کھولے مسکرائے جارہا تھا۔ وہ عورت وفورِ مسرت سے پاگل ہوتے ہوئے شیخ زکریا کے حجرے میں دوڑی اور بولی ''حضرت...... دیکھیں میرا بچہ زندہ ہوگیا۔ میرا بچہ پھر سے اُٹھا ہے۔

شیخ زکریا زیرِ لب بولے ''اچھا تو اپنے دور کا یہ ولی کرامت پہ مچل ہی گیا ہے حالانکہ معجزات پیغمبروں کے لیے واجب ہیں اور کرامت ولیوں کے لیے پوشیدہ رکھنا واجب ہے لیکن یہ قطب تو کرامت پہ مچل اُٹھا ہے۔'' انہوں نے اُس عورت کو مبارک باد دے کر واپس بھیجا اور اُس کے لیے حکم جاری کیا کہ اُس بوڑھی عورت کو تاحیات وظیفہ ملتا رہے۔ پھر آپ نے اپنے کمسن پوتے کو بلایا اور پیار سے گود میں بٹھاتے ہوئے بولے۔ رُکن الدین یہ تم نے آج کیا حرکت کی ہے۔ بیٹا ایسا کام نہیں کرتے۔ سلوک طریقت میں یہ باتیں ممنوع ہیں۔''

رُکن الدین بولے ''بابا! ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے در سے کبھی کوئی خالی نہیں گیا۔ پھر ہم اُس بوڑھی عورت کو کیسے جانے دیتے۔ اگر سلوک طریقت میں یہ سب منع ہے تو بابا آپ سلوکِ طریقت سے کہہ دیں کہ وہ خود کو بدل ڈالے ہم تو ہرگز ایسا نہ کریں گے کہ کسی کو در سے خالی ہاتھ روانہ کردیں۔

آپ نے پوتے کی باتیں سنیں تو مسکرا پڑے اور پیار وشفقت سے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے نیچے اُتار کر خود اپنے حجرے میں چلے گئے۔

ملتان میں ایک ہندو عورت رہا کرتی تھی۔ بیوہ تھی اور سوائے ایک اکلوتے بیٹے کے اُس کا اس دُنیا میں کوئی سہارا نہ تھا مگر وہ نصیبوں جلی اُس بیٹے کی رفاقت سے بھی محروم تھی۔ دُنیا جہاں کی محنت ومشقت اُٹھا کر اُس نے بیٹے کی پرورش کی اور وہ بیٹا جس کے لیے اُس نے سب کچھ کیا۔ ایک دن تجارت کی غرض سے خراسان کے سفر پر ایسا روانہ ہوا کہ دوبارہ ملتان کی راہ میں بھول گیا۔ نہ تو خود آیا اور نہ ہی کوئی خیریت کا

Marfat.com

پتر لوگ بھی رحم کے جذبے سے اُسے دیکھتے اور بے بسی کا اظہار کر کے اپنی راہ لیتے۔ آخر جب کچھ ہمدردوں نے دیکھا کہ یہ تو ماںتا کی ماری اب پاگل ہونے کو آئی ہے تو کسی نے اُسے مشورہ دیا کہ دیکھ تو ملتان کے مسلمان درویش کے پاس جا۔ اُن پر ایشور کی بڑی کرپا ہے۔ اور وہ تجھے تیرے بیٹے سے ملواسکتے ہیں۔ ڈوبتے کو تو تنکے کا سہارا بھی کافی ہوتا ہے چنانچہ اُس عورت نے جب یہ سنا کہ ایک ایسا در بھی ہے جہاں سے وہ کامیاب لوٹ سکتی ہے تو اُس نے فوراً شاہ رکن عالم کی خانقاہ کی طرف دوڑ لگائی اور سیدھی آپ کے حجرے میں پہنچ کر فریاد کرنے لگی کہ ''شریمان جی مجھ اُبھاگن پہ دیا کریں۔ میرا اکلوتا بیٹا بڑے سمے سے مُجھ سے الگ ہے نجانے کدھر ہوگا۔'' جذبات کی شدت سے وہ عورت روتی بھی جاتی تھی اور زبان سے فریاد بھی کرتی جاتی۔ آپ نے رحمدلی سے اُسے دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلے گئے۔ پھر کچھ دیر بعد آنکھیں کھولتے ہوئے کسی ہندو عورت سے بولے ''گھر جاؤ تمہارا بیٹا اللہ کی رضا سے گھر پہنچ چکا ہوگا۔''

یہ سن کر عورت خوشی سے پاگل ہوتے ہوئے گھر کو دوڑی۔ ابھی وہ گھر کی دہلیز سے ذرا دُور ہی تھی کہ اُس نے دیکھا کہ اُس کا بیٹا ہاتھ میں ہانڈی میں ڈالنے والا بڑا سا چمچ اُٹھائے دوڑتا آرہا ہے۔ عورت نے جب طویل عرصہ کے بعد بیٹے کو دیکھا تو دوڑ کر اُسے گلے سے لگالیا اور رو رو کر اپنا برا حال کرلیا۔ وہ نوجوان حیرت سے کبھی ماں کو دیکھتا کبھی اپنے آبائی شہر کی گلی کو تکتا اور پھر ہاتھ میں پکڑے اُس چمچ پہ نظر ڈالتا۔ پھر وہ ماں کو لے کر اپنے گھر میں داخل ہوا اور حیرت سے ماں کو بتانے لگا کہ ''اماں یہ تو بڑا ہی نرالا واقعہ ہوگیا ہے۔ میں تو وہاں خراسان میں بیٹھا ہانڈی میں چمچ ہلا رہا تھا ایک بلی کہیں سے نمودار ہوئی اور وہ تھالی میں رکھے گوشت کو اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ مجھے اس پر بہت غصہ آیا۔ چنانچہ میں نے ہاتھ میں پکڑے چمچ کے ساتھ ہی اُس

Marfat.com

کے پیچھے دوڑ لگادی۔ لیکن گھر سے نکل کر اب جو دیکھتا ہوں تو اپنے شہر کی گلی میں خود کو موجود پاتا ہوں۔ ماں کیا یہ عجیب بات نہیں؟ آخر ایسا کیسے ہو گیا؟

اُس کی ماں جو فرطِ مسرت سے بیٹے کو دیکھتی جا رہی تھی پوری بات سننے کے بعد اُس نے بیٹے کو حضرت شاہ رکن عالم کے بارے میں بتایا چنانچہ اگلی صبح اُس کا بیٹا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اُسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''دیکھ یہ تیری ماں ہی ہے جس نے آج تجھے پال پوس کر اتنا نوجوان اور باہمت بنا دیا ہے کہ تو گھر سے نکل کر خراسان جیسے دور دراز علاقے میں جا کر تجارت کر سکے۔ پھر بھی تو ماں کو بھول گیا۔ یاد رکھ جس دن تو اپنی ماں کو بھولا اُس دن تیرا پربھو تجھے بھول جائے گا۔''

شہر ملتان میں دو ہندو بہنیں رہا کرتی تھیں۔ وہ آپ کی عظمت اور کرامات کی دل سے قائل تھیں اور آپ کی بے حد عزت کیا کرتی تھیں۔ اُن میں چھوٹی والی آپ کی بہت عقیدت مند تھی اور بڑی عقیدت سے روزانہ صبح دودھ کا ایک لوٹا آپ کی خانقاہ میں لاتی اور آپ بھی وہ دودھ بخوشی لیتے اور استعمال میں لاتے۔ اگرچہ خانقاہ کی ملکیت میں ہزار ہا اعلیٰ النسل کے دودھ دینے والے جانور موجود تھے مگر وہ لڑکی اتنی چاہ سے دودھ لاتی کہ آپ کو وہ دودھ اتنا بھا گیا کہ اُس کے انتظار میں رہنے لگے۔ آپ کو اُس لڑکی کی یہ عقیدت ایسی بھائی کہ آپ نے اُس پہ اپنی خصوصی توجہ دی اور اُس کا کایا پلٹ دی۔ کل تک جو لڑکی ہزار ہا بتوں کی بچاری تھی آج وہ آپ کے ایمان افروز طرزِ عمل سے خدائے واحد کی عبادت گزار بن گئی۔ مسلمان ہو کر اُس نے عبادت گزاری میں وہ مقام پیدا کیا کہ ایک ممتاز زاہدہ کے طور مشہور ہوئی۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو چکی تھی مگر اُس نے اپنی پوشاک ہندووانہ ہی رکھی۔ چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے عزیز اقرباء نے اُس کی چتا تیار کر کے اُسے جلانے کی خاطر

Marfat.com

مرگھٹ کی طرف جانا چاہا تو آپ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ آپ فوراً ان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ ''مرحومہ جلائی نہیں جاسکتی کیونکہ اسلام میں مردہ جلانا حرام ہے۔ اسے دفن کیا جائے۔''

لڑکی کے عزیزوں نے اسے اپنے مذہب میں دخل اندازی گردانتے ہوئے تلخ لہجہ میں کہا ''حضرت اسلام کی باتیں مسلمان جانیں۔ ایک ہندو لڑکی کا اس سے کیا تعلق؟ یہ سن کر آپ نے حیرت سے کہا ''ہندو۔ کون ہندو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ لڑکی مسلمان ہو چکی ہے۔'' پھر آپ نے لڑکی کی چتا کی طرف مڑ کر مردہ لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا ''کیوں مومنہ...... کیا تم مسلمان نہیں ہو؟''

لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا اور آپ کی ذہنی کیفیت پہ شک کا اظہار کرنے لگے کہ حضرت مردے سے جواب کی توقع رکھ رہے ہیں لیکن پھر اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ لڑکی جو مردہ بے جان چتا پہ پڑی تھی۔ ایک دم اُٹھ بیٹھی اور کلمہ توحید پڑھ کر دوبارہ اُسی طرح لیٹ گئی۔

لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو اُن میں کچھ جنہیں خدا نے فلاح کے لیے منتخب کر لیا تھا فوراً مسلمان ہو گئے۔ اُس لڑکی کی چھوٹی بہن بھی اسلام پہ ایمان لے آئی اور ایک کاملہ خاتون بنی۔ اُس کے انتقال کے بعد اسے اُس کی بہن کے ساتھ ہی دفنایا گیا۔ ملتان کے محلّہ کمانگراں میں آج بھی ان دونوں بہنوں کی قبریں موجود ہیں۔

شاہ رکن عالم نے اپنے دور میں لاتعداد بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ہندوستان کی مسند پہ جب میں شاہ تغلق بیٹھا تو اُسے ملتان کی سرکشی کا علم ہوا۔ اُس نے ملتان کی بغاوت کو فوراً کچلنے کے لیے حکم جاری کر دیا اور فوراً لشکر جرار تیار کیا جائے اور ملتان پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک عظیم لشکر شاہ محمد تغلق کی زیر نگرانی دلی سے ملتان کی طرف بڑھا اور ملتان میں داخل ہوتے ہی عوام کا قتل عام شروع کر دیا۔ حضرت شاہ

Marfat.com

رکن عالم ملتانی کو جب تغلق لشکر کی اس حشر سامانی کا علم ہوا تو انہوں نے بے گناہ عوام کے قتل عام کو رکوانے کی خاطر حجرے سے ننگے پاؤں دوڑتے شاہ محمد تغلق کی طرف جانے لگے۔ شاہ محمد تغلق نے جب آپ کو یوں ننگے پاؤں دوڑتا اپنی طرف آتے دیکھا تو گھبرا کر آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے اُسے سامنے پا کر چلا کر کہا ''تغلق یہ تو کیا کر رہا ہے۔ بندگانِ خدا کا کیوں ناحق خون بہا رہا ہے۔ اگر تو نے یہ عمل یونہی جاری رکھا تو یاد رکھ خدا کا عتاب جلد تجھ پر نازل ہوگا۔''

''محمد تغلق آپ کی بات سن کر کانپ اُٹھا اور اُس نے اُسی وقت اپنے لشکر کے سالارِ اعظم کو حکم جاری کیا کہ ملتان میں قتل عام فوراً بند کر دیا جائے۔ اس طرح آپ کی وجہ سے شہر ملتان تباہی و بربادی سے بچ گیا جو تغلق کے ہاتھوں انجام پانے والا تھا۔

روحانی توجیہہ:

حضرت شاہ رکن عالم فرماتے ہیں کہ انسان کی زندگی کا دارومدار اطلاع پر ہوتا ہے جسے قبول کر لینا چاہیے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اس قول کی روحانی توجیہہ کچھ ایسے فرماتے ہیں:

یہ بات کئی بار پوری طرح واضح کی گئی ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار محض اور محض اطلاع یا خبر کے اوپر ہے۔ ہم جب زندگی میں کام کرنے والے تقاضوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمارے اوپر اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ دراصل زندگی میں کام آنے والا ہر جذبہ ایک خبر یا اطلاع ہے۔ یہ بات بھی بتائی جا چکی ہے کہ کھانا آدمی اس وقت کھاتا ہے جب اسے بھوک لگتی ہے۔ پانی آدمی اُس وقت پیتا ہے جب اسے پیاس لگتی ہے۔ سونے کے لیے بستر پر اس وقت لیٹتا ہے جب اسے سونا

Marfat.com

ہوتا ہے۔ نیند سے اس وقت بیدار ہوتا ہے جب اسے دماغ اس بات پر آمادہ کرتا ہے مزید سونا جسمانی اور دماغی صحت کے لیے مضر ہے۔ اپنے بچوں سے آدمی پیار اس بنیاد پر کرتا ہے کہ شعوری اور لاشعوری اعتبار سے یہ بات اس کے علم میں ہے کہ یہ اس کے بچے ہیں۔ اگرچہ وہ دوسرے بچوں سے بھی محبت کرتا ہے اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے لیکن اپنی اولاد اور دوسرے کی اولاد میں بہر حال امتیاز برقرار رہتا ہے۔ بچے بحیثیت بچوں کے سب برابر ہیں۔ بھولے بھالے معصوم چہرے سب بچوں کے ہوتے ہیں۔ ان کی پیاری اور خوش کرنے والی باتیں بھی ایک سی ہوتی ہیں۔ بچوں کا مزاج بھی تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ اطلاع ہے کہ یہ بچے ہمارے ہیں اور وہ بچے فلاں کے ہیں۔ یہ اطلاع یا خبر محبت اور شفقت میں ایک حد فاصل پیدا کر دیتی ہے۔ عورت بحیثیت عورت کے عورت ہے۔ دنیا کی تمام عورتیں ایک سے خدوخال پر مشتمل ہیں لیکن جب رشتہ زیر بحث آتا ہے تو ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ یہ عورت ہماری بہن ہے، یہ عورت ہماری ماں ہے، یہ عورت ہماری بیوی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اطلاع نے ایک ہی ہستی کے رشتے الگ الگ متعین کر دیئے۔ ایک آدمی رات دن محنت کر کے پسینہ بہا کر روزی حاصل کرتا ہے۔ اس روزی کے حصول کے دوران اس کے دماغ میں یہ بات موجود ہے کہ یہ روزی حلال ہے۔ دوسرا آدمی پہلے آدمی سے بہت زیادہ محنت کرتا ہے لیکن اس کے دماغ میں یہ اطلاع یا خبر یا یہ مفہوم موجود ہے کہ یہ روزی حلال نہیں ہے۔ دونوں آدمی آٹا خریدتے ہیں۔ آٹے سے روٹی پکتی ہے اور دونوں آدمی روٹی کھاتے ہیں۔ مگر اطلاع کی بنیاد پر ایک کھانا حلال قرار پاتا ہے اور دوسرا کھانا حرام قرار پاتا ہے۔ یہی حال ہماری جسمانی صحت اور بیماری کا بھی ہے۔ بیمار ہونے سے پہلے ہر آدمی کے اوپر کم و بیش یہ کیفیت ضرور طاری ہوتی ہے کہ وہ بیمار ہے۔ نتیجہ میں وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی اچھا خاصا

Marfat.com

بیٹھا ہوا ہے۔ طبیعت میں اگر کسلمندی ہے، اعصاب میں ذرا سا کھچاوٹ ہے۔ وہ اس بات کا اظہار اسطرح کرتا ہے کہ میری طبیعت خراب ہے اور مجھے بخار ہونے والا ہے۔ نتیجہ میں اسے بخار ہو جاتا ہے۔ جب تک کوئی آدمی بیماری کی اطلاع قبول نہیں کر لیتا، وہ ہرگز بیمار نہیں ہوتا۔ یہ قانون ہے اور بیماری چھوٹی ہو یا بڑی اس کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ کوئی آدمی اپنی مرضی سے بیمار ہوتا ہے لیکن قانون یہ ہے یا لوح محفوظ پر یہ لکھا ہوا ہے کہ جب تک کوئی آدمی بیماری کی اطلاع کو قبول نہیں کر لیتا، بیمار نہیں ہو سکتا۔ یہی حال موت کا بھی ہے۔ جب تک کوئی آدمی ذہنی یا شعوری طور پر لاشعور میں ذخیرہ موت کی اطلاع قبول نہیں کرتا، وہ ہرگز نہیں مرتا۔ یہ بھی بہت عجیب بات ہے کیونکہ آدمی اس دنیا میں ایسا پیدا نہیں ہوا جو خود اپنی مرضی سے مرنا چاہتا ہو۔ لیکن قانون اپنی جگہ اٹل ہے۔ اس لیے کہ نہ صرف زندگی بلکہ موت بھی ایک اطلاع ہے یہاں ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ صاحب! انفرادی طور پر بہ امر مجبوری اس قانون کی مان لیتے ہیں لیکن یہ جو حادثاتی موتیں ہوتی ہیں یا جنگوں میں ہزاروں لاکھوں آدمی مر جاتے ہیں، یہ تو نہیں چاہتے کہ ہم مر جائیں۔ ایک دشمن نے حملہ کر کے ان کے اوپر موت مسلط کر دی حالانکہ وہ مرنا نہیں چاہتے تھے ایسا نہیں ہے، فی الواقع وہ سب مرنا چاہتے تھے اس لیے مر جاتے ہیں۔ زندگی کے طرز عمل کو اگر بہت غور سے دیکھا جائے، زندگی میں کام کرنے والی طرزوں کی چھان پھٹک کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ آسمانی صحائف کے بیان کردہ قوانین کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی ہمہ وقت، ہر آن اور ہر لمحہ دو دائروں میں سفر کر رہی ہے۔ ایک دائرہ شعوری ہے دوسرا دائرہ لاشعوری۔ قدرت نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ اس قسم کے اعمال و حرکات اور اس قسم کا طرز عمل قوموں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور اس قسم کا طرز عمل قوم کی رگوں میں

Marfat.com

زندگی بن جاتا ہے۔ جو قومیں اپنی زندگی یعنی روح سے دور ہو جاتی ہیں وہ قومیں مر جاتی ہیں۔ اس لیے کہ مرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی کا وجود تحلیل ہو گیا۔ یا آدمی بنیادی طور پر ختم ہو گیا۔ موت کا مطلب یہ ہے، کہ انسانی جسم یعنی گوشت پوست کے جسم کا رشتہ روح سے منقطع ہو گیا۔ انفرادی طور پر کوئی فردِ واحد روح سے رشتہ منقطع کر لے وہ بھی مرنا ہے اور اجتماعی طور پر پوری قوم اپنی روح سے رشتہ منقطع کر لے وہ بھی مرنا ہے یعنی کسی فرد یا قوم نے اس اطلاع کو قبول کر لیا ہے جس اطلاع کا نام عرف عام میں موت رکھا جاتا ہے۔ مسلمان من حیث القوم جب تک اپنی روح کے ساتھ وابستہ رہے، دنیا میں عروج پاتے رہے۔ اور مسلمان من حیث القوم جب اپنی روح سے دور ہوئے، مر گئے۔ مرنے کی بہت ساری شکلیں ہیں، کوئی وبا آ کر کھا جائے۔ کوئی دشمن شب خون مار کر ہلاک کر دے، کوئی بڑی طاقت لقمہ تر سمجھ کر نگل لے۔ قانون اپنی جگہ قانون ہے کہ قوم نے اس لیے وہ اطلاع جو موت کا روپ دھارتی ہے انتخاب کر لیا۔ تمام انبیاء کا مشن، ان کی تعلیم اور تبلیغ یہ ہے کہ انسان کو یہ بتا دیا جائے کہ اس کا وجود صرف اور صرف اطلاع پر قائم ہے۔ روح اگر کہتی ہے کہ تو زندہ ہے تو وہ زندہ ہے۔ روح اگر کہتی ہے کہ تو مردہ ہے تو وہ مردہ ہے موت کی قسمیں ہیں، ایک موت طبعی موت کہلاتی ہے، ایک موت حادثاتی موت کہلاتی ہے۔ ایک موت اجتماعی موت کہلاتی ہے۔ کسی موت کا نام موت رکھا جاتا ہے اور کسی موت کا نام ہلاکت رکھا جاتا ہے اور کسی موت کا نام شہادت رکھا جاتا ہے۔ یہاں بھی قانون کی وہی دفعہ کام کر رہی ہے کہ موت کی اطلاع ہمیں کن معنوں میں موصول ہوئی۔ آیا ہم طبعی موت مر رہے ہیں یا ہم کتے بلی کی موت مر رہے ہیں۔ یا ہم شہادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہم جب اس دنیا میں منتقل ہو رہے ہیں تو ہمارا ٹھکانہ جہنم ہے یا ہمارا ٹھکانہ جنت میں ہو گا۔ جس اطلاع میں آدمی مر جاتا ہے، مرنے کے بعد وہی اطلاع زندگی

Marfat.com

بن جاتی ہے۔ کوئی آدمی اس دنیا میں پریشان حال ہے۔ وہ پریشان خیالی اورخلفشار دماغ کے عذاب میں مرگیا تو وہ سیدھا دوزخ میں گیا۔ اس لیے دوزخ کی اطلاع انبیاءؑ سے جو کچھ ہمیں ملی وہ پریشان حالی ہے، درماندگی ہے، منتشر خیالی ہے، تکلیف و اذیت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے برعکس اگر کوئی بندہ سکون آشنا زندگی میں داخل ہو کر، راحت وسکون کے جذبات سے متاثر ہو کر اورعدم تحفظ اور ڈر اور خوف کے جذبات سے آزاد ہو کر مرتا ہے تو وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ اس لیے کہ انبیاءؑ سے جنت کے بارے میں جو اطلاع ہمیں ملی وہ یہ ہے کہ راحت ہوگی، راحت وسکون ہوگا، آرام ملے گا، طرح طرح کی نعمتیں دسترخوان پر ہمیں میسر ہوں گی۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ دوزخ جس طبقے یا جس علاقے یا جس آبادی یا جس کانٹوں بھرے میدان کا نام ہے وہاں وہ لوگ قیام کریں گے جو اللہ کے ناپسندیدہ ہیں، جنہوں نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ ہم اللہ کو پہچانیں، اللہ سے ہمارا تعلق اور رابطہ قائم ہو، ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو اور ہم اللہ کے دوست بن جائیں۔ دوسرا طبقہ جنت کا طبقہ ہے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ رہیں گے جن لوگوں نے اللہ سے قربت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی، وہ لوگ رہیں گے جنہوں نے ان باتوں سے احتراز کیا جو اللہ اوراس کے رسولؐ کو ناپسند ہیں۔ جنت میں وہ لوگ رہیں گے جنہوں نے قرآن کی تعلیمات کو اس طرح سمجھا جس طرح پیغمبروں نے سمجھا، اپنی عارضی زندگی میں اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کو اس طرح استعمال کیا جس طرح پیغمبروں نے اپنے اختیارات استعمال کئے۔ جنت کے باسی وہ لوگ ہوں گے۔ جن کے سروں پر اللہ تعالیٰ نے دست شفقت رکھ دیا ہے۔ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اللہ کے دوستوں کی تعریف یہ ہے کہ ان کی زندگی میں نہ خوف ہوتا ہے اورنہ حزن و ملال ہوتا ہے اورنہ غم ہوتا ہے اس آیت

Marfat.com

مبارکہ کی تفسیر میں اگر تفکر کیا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے اور یہ بات ایسی ہے جس کو کوئی بڑے سے بڑا عالم دین، بڑے سے بڑا مسند نشین، گدی نشین، بڑے سے بڑا پیر رد نہیں کرسکتا، یہ کہ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم اور جن لوگوں کے اندر غم ہوتا ہے اور خوف ہوتا ہے وہ اللہ کے دوست نہیں ہوسکتے اور جو اللہ کے دوست نہیں ہوتے، جنت کی فضا انہیں قبول نہیں کرتی۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے اندر غم اور خوف ہے تو اللہ کے بیان کردہ قانون کے مطابق وہ جنتی نہیں ہے۔ روحانی قدروں میں کسی شاگرد یا راہ سلوک پر چلنے والے مسافر کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کے دل سے خوف اور غم نکل جائے۔ خوف اور غم اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑتے جب تک آدمی کے اندر قناعت اور استغناء موجود نہ ہو۔

قناعت اور استغناء کوئی لفظی معمہ نہیں ہے یا کوئی حساب کا ہیر پھیر نہیں ہے۔ استغناء فی العمل ایک کیفیت ہے، ایک حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جو حقیقت مطلق سے متصل ہے جب تک کوئی بندہ حقیقت سے متعارف نہیں ہوتا، مشاہدہ نہیں کرلیتا اس وقت تک اس کے اندر استغناء پیدا نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو وہ اتنا ہوتا ہے کہ محض اس کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ جس آدمی کے اندر جس مناسبت سے قنات اور استغناء موجود ہے اس آدمی کے اندر اسی مناسبت سے ڈر، خوف اور غم بھی کم ہوتا ہے۔

وفات

آپ کی وفات ۷ جمادی الاول ۳۵ے ھ کو ہوئی اور شریعت اور طریقت کا ایک چمکتا ہوا ستارہ غروب ہوگیا۔

Marfat.com

اقوال وارشادات

۱۔ انسان کو اعلیٰ کھانے سے بہتر ہے کہ عبادت اور ریاضت کی روحانی غذا کھائے۔

۲۔ جب انسان نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے تو اُس کی وہ نیکی صرف اُس تک محدود نہیں رہتی بلکہ سفر در سفر طے کرتی پورے علاقہ میں چھا جاتی ہے۔

۳۔ انسان کی نیکی سے اُس کے ارادت مند اثر قبول کرتے ہیں۔

۴۔ انسانی زندگی کا دارومدار اطلاع پر ہوتا ہے جسے اندر سے قبول کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۷۰۸ھ

وفات: ۷۸۵ھ

عمرعزیز: ۷۷سال

ابتدائی حالات

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ۷۰۸ میں اُچ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید احمد کبیر بڑے اکابر بزرگ تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ وہ کبھی بستر پر نہیں سوئے تھے۔ اور ہر روز دن اور رات میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ آپ کا اصل نام سید جلال الدین بخاری تھا مگر آپ نے جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے شہرت پائی۔

وجہ تسمیہ

اس لقب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ عید کے روز تین بزرگوں حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف اور شیخ ابوالفتح رُکن الدین کے مزاروں پر الگ الگ مراقبہ کیا اور مراقبے میں ان مذکورہ بزرگوں سے عیدی طلب کی۔ ان تینوں بزرگوں نے آپ کو ایک ہی لقب ''مخدوم جہانیاں'' سے نوازا۔ دوسری روایت ہے کہ آپ کو سیاحت کا بڑا شوق تھا اس وجہ سے آپ کو مخدوم جہانیاں کے ساتھ جہاں گشت کا بھی لقب مل گیا۔ اس سیاحت میں آپ نے مصر، شام، عراق، بلخ اور بخارا کا دورہ کیا اور چھتیس مرتبہ حج بیعت اللہ ادا کیا اور لاتعداد بزرگانِ دین اور اہل طریقت سے ملاقاتیں کیں۔

Marfat.com

آپ کو جہانیاں کے ساتھ جہاں گشت کا جو لقب ملا اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی...... کہ آپ کے پاس ایسے وردو وظائف تھے کہ آپ اُن پر عمل کر کے آن کی آن میں سینکڑوں میلوں کا فاصلہ طے کر لیتے تھے اور اس نسبت سے بھی آپ کو جہاں گشت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ میں کتنی صداقت ہے۔ یہ عالم الغیب جانتا ہے۔

حسن اخلاق

حضرت مخدوم جہانیاں سراپا حسن اخلاق تھے۔ آپ کے اخلاق حسنہ سے آپ کے دوست اور دشمن سب متاثر تھے۔ آپ کی طبیعت میں حد درجہ انکساری تھی اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو ایک مرید نے قطب عالم شیخ الشیوخ اور سید السادات کے القابات سے پکارا۔ آپ نے اُس کو روک دیا اور فرمایا۔ ''مجھے تو تم گدائے عالم کہو۔'' جب آپ کے مرید اور معتقدین آپ کے ہاتھ یا پاؤں چومنے کی کوشش کرتے تو آپ اُن کو روک دیا کرتے تھے۔ سجدہ تعظیمی کرنے والوں کو سختی سے ناراض ہوتے اور فرماتے کہ خدا کے علاوہ جب کسی کو سجدہ جائز ہی نہیں تو مجھے کیوں گناہ گار کرتے ہو۔

آپ کی مہمان نوازی بھی قابل ستائش ہے۔ آپ مہمان کے متعلق فرماتے۔ مہمان خدا کی رحمت ہوتا ہے۔ زندہ آدمی کسی زندہ آدمی کی ملاقات کے لیے آیا ہی کرتے ہیں۔ اس لیے اپنے مہمانوں کی خاطر مدارت ضرورت کرنی چاہئے۔ آپ کے ہاں جب بھی کوئی مہمان آتا تو آپ اس کو کئی دن تک روکے رکھتے۔ اُس کی تواضع کرتے اور رُخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ نقد بھی دیتے اور جب تک اُس کا قیام رہتا اُس کے لیے علیحدہ حجرہ متعین فرماتے تھے۔

روح پرور واقعات

سلطان محمد تغلق کو آپ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی اُس نے آپ کو شیخ اسلام

Marfat.com

کا خطاب دیا اور چالیس خانقاہیں آپ کے تصرف میں دے دیں۔ مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں۔ ''جس روز مجھے چالیس خانقاہیں بادشاہ نے عطا کیں اُس روز ہی میں نے رات خواب کے عالم میں اپنے مرشد عالی شیخ رُکن الدین سے ملاقات کی۔'' اُنہوں نے مجھے حکم دیا: ''خانقاہوں کو چھوڑ کر فوراً حج کے لیے روانہ ہو جاؤ ورنہ تمہاری ساری عبادت و ریاضت اکارت ہو جائے گی اور تم غرق ہو جاؤ گے۔'' چنانچہ میں جب بیدار ہوا تو میں نے فوراً حج کا ارادہ کرلیا۔ اس مقصد کے لیے میں اپنے والد بزرگوار سید احمد کبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کی اجازت طلب کی۔'' جب اجازت مل گئی تو میں حج کے لیے روانہ ہوا۔ میرے پاس زادِراہ کے لیے ایک پائی تک نہ تھی اور سواری کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ میں پیدل ہی حج کے لیے روانہ ہوگیا۔ راستے میں میری ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جو حج پر جارہا تھا مگر کسی مجبوری کے تحت اُس کو اپنا حج کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ اُس نے اپنے حج کے لیے سارا اسباب اور رقم مجھے دی اور ایک گھوڑا بھی دیا۔ میرے ہمراہ مولانا نظام الدین بھی تھے وہ بیمار تھے میں نے گھوڑا اُن کو دے دیا اور خود پیدل چل کر مکہ شریف پہنچا۔ اس روز اگر میں حج پر نہ جاتا اور خانقاہیں قبول کرلیتا تو مجھ پر غرور سوار ہو جاتا اور میں کیچڑ میں گر جاتا اور کبھی نہ نکل پاتا۔ مگر میرے مرشد نے میری رہنمائی کی اور مجھے صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔''

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ مکہ معظمہ سے واپس لوٹے تو آپ کو معلوم ہوا کہ کہ انور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک بڑا صاحب کرامت بزرگ رہتا ہے۔ اُس نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ اُس کی نمازیں خدا نے معاف کردی ہیں۔ اُس کے آستانے پر ہر وقت بادشاہ وگدا اور امیر و وزراء کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں بھی اس درویش کی ملاقات کو پہنچے اور اُس کے سلام کیے بغیر اُس کے قریب بیٹھ گئے۔ اُس سے سوال کیا۔ ''تم نماز کیوں نہیں ادا کرتے؟ جبکہ سرور کونین

Marfat.com

شاہِ مدینہؐ نے فرمایا ہے ’’مومن اور کافر کے درمیان نماز سے فرق ہوتا ہے۔‘‘

اس درویش نے نہایت تکبرانہ شان سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے کے ذریعے مجھے یہ حکم پہنچایا ہے کہ مجھے نمازیں معاف کردی گئی ہیں۔

مخدوم جہانیاں نے فرمایا ’’اے درویش تمہارا رابطہ اور سابقہ خدا سے نہیں ہے بلکہ شیطان سے ہے کیونکہ نماز تو محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں معاف کی گئی تو تم جیسے جاہل کو کس طرح معاف ہوسکتی ہے۔ ویسے بھی فرشتے تو صرف پیغمبروں کے پاس خدا کے سلام و پیغام اور وحی لاتے ہیں۔‘‘

درویش نے جواب دیا۔ ’’میں اس کیفیت میں بڑی فرحت محسوس کرتا ہوں۔‘‘

مخدوم جہانیاں نے فرمایا۔ ’’اب جب تیرے پاس جعلی فرشتہ خدا کے پیغامات اور وحی وغیرہ لائے تو تو ایک مرتبہ ’’لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم‘‘ پڑھ دینا پھر اس کی کرامت دیکھنا۔‘‘

اگلے دن درویش نے مخدوم صاحب کے حکم پر عمل کیا اور جب لاحول پڑھی تو نقلی فرشتہ فوراً رفو چکر ہوگیا۔ اس پر وہ بھاگتا ہوا مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا۔ مخدوم صاحب نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جس قدر نمازیں ضائع ہوئی تھیں اُن کی قضا پڑھوائی اور اپنی نظروں کے کیمیا سے اُس کی گمراہی کو تمام کردیا۔

مخدوم جہانیاں بے حد پابند شریعت اور پابند سنت تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب تک کوئی شریعت کو مضبوطی سے نہ پکڑے گا اُس وقت وہ کوئی فلاح کا کام نہیں کرسکتا اور جو خیرات ہمیں آتی ہے اس کے پس پردہ مقاصد ہم پر تو عیاں نہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ اس قسم کی خیرات حاصل کرکے ساری غرباء میں تقسیم کردینی چاہئے۔

آپ ہی نے فرمایا کہ جو شخص طریقت اور حقیقت کو جانتا ہے لیکن شریعت سے واقف

Marfat.com

نہیں تو وہ شیخ نہیں بلکہ جاہل ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی صالح آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ شریعت، حقیقت اور طریقت کا اُس کو علم نہ ہو۔ آپ ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کو خلاف سنت کہا کرتے تھے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق کچھ دیر استراحت ضرور فرمالیا کرتے تھے۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ''انا اصلی وانام'' یعنی نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔

فروز شاہ تغلق کا ایک وزیر خان جہان شروع شروع میں مخدوم جہانیاں سے سخت نفرت کرتا تھا اور آپ کی مخالفت میں پیش پیش رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے ایک غریب آدمی کے بیٹے کو کسی وجہ سے قید میں ڈال دیا اُسکا باپ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ''اپنے بیٹے کی بے گناہی ظاہر کر کے سفارش کا طالب ہوا۔'' حضرت مخدوم، خان جہاں کے پاس گئے اور اُس کو سفارش کی مگر اُس نے آپ سے ملنا بھی گوارہ نہ کیا اور اندر سے کہلا بھیجا کہ ''آپ چلے جائیں میں آپ کی کوئی بات نہ مانوں گا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ آپ آئندہ میرے دروازے پہ نہ آئیں۔'' لیکن اس کے باوجود مخدوم جہانیاں تقریباً انیس مرتبہ خان جہاں کے پاس گئے۔ آخری مرتبہ تو اُس نے کہلا بھیجا کہ ''اے مخدوم جہانیاں تو ہے تو سید مگر غیرت تم میں نام کو نہیں۔ میں تمہیں کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میرے گھر مت آؤ مگر تم ہو کہ آنا جانا ترک نہیں کرتے۔''

مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ ''اے خان جہان میرے عزیز! میں تمہارے در پر جتنی مرتبہ بھی آتا ہوں ایک مظلوم کی دادرسی کے لیے آتا ہوں اور مجھے اُس کا ثواب مل رہا ہے۔ لہٰذا تم میری غیرت اور بار بار آنے کی پرواہ نہ کرو۔ بات تو اُس مظلوم کی ہے جس کی فریاد ابھی تک نہیں سنی جارہی اور میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تو اُس مظلوم کو اپنی قید سے نجات دے دے تا کہ تو بھی ثواب حاصل کرے۔'' یہ سن کر جہان خان بڑا شرمندہ ہوا۔ اُسی وقت اپنے محل سے باہر نکلا اور آپ کے قدموں میں

Marfat.com

گر گیا۔ آپ نے اُس کو اُٹھایا اور کہا'' کہ تو کوئی شرمندگی محسوس نہ کر تمہیں مظلوم کی بے گناہی کا احساس ہوگیا ہے اور قدرت نے تمہیں ظلم سے باز رکھا۔ یہی بات کم نہیں ہے۔'' جہاں خان پر آپ کی باتوں سے رقت طاری ہوگئی اور وہ اُسی روز آپ کا مرید ہوگیا اور آپ کے بعد اُس نے کسی پر ظلم نہیں کیا اور ہمیشہ آپ کی تعلیمات اور احکام پر عمل پیرا رہا۔

روحانی توجیہہ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وفکر کریں۔ اس قول کی روحانی توجیہہ میرے مرشد کریم نے یوں فرمائی ہے۔

رواں دواں پانی کو دیکھ کر آدمی اس لیے متاثر ہوتا ہے کہ اس کے لاشعور میں یہ بات موجود ہے کہ پانی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ایک اہم عنصر ہے۔ خنک لطیف ہوا کے جھونکوں سے آدمی اس لیے پر کیف ہوجاتا ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ لطیف اور خنک ہوا آدمی کی بنیادی ضرورت آکسیجن فراہم کرتی ہے۔ خوشنما لباس پہن کر آدمی اس لیے اپنے اندر فروحت محسوس کرتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات موجود ہے کہ خوشنما چیزیں دوسروں کو متاثر کرتی ہیں اور خوشنمائی خود انسان کے لیے ایک بہترین خوشی کا ذریعہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر، اس میں حیوانات یا انسان کی کوئی تخصیص نہیں۔ آدمی کے اوپر ایک بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں س کا اپنا بچپن محفوظ ہے۔ باالفاظ دیگر ہم اس بات کو اس طرح کہیں گے کہ ایک بڑا بوڑھا آدمی بچے کو دیکھ کر اپنے ماضی کے بچپن میں لوٹ جاتا ہے کیونکہ بچے فطری اور جبلی طور پر خوش رہتے ہیں اس لیے جب ایک ۶۰ سالہ، بیس سالہ یا ۲۵ سالہ آدمی اپنے بچپن میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اوپر وہی تمام

Marfat.com

تاثرات غالب آجاتے ہیں جو بچوں کی زندگی کا خاصہ ہیں۔ اس کے برعکس جب آدمی خزاں رسیدہ درخت کو دیکھتا ہے جب کہ اس کے اوپر پتے نہیں ہوتے، شگوفے نہیں ہوتے، پھل نہیں ہوتے، شادابی نہیں ہوتی تو اس درخت سے وہ ان حالات کی طرح متاثر نہیں ہوتا۔ جس طرح وہ بہار کے موسم میں درخت سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کوئی آدمی خود کو خزاں رسیدہ رکھنا نہیں چاہتا۔ کوئی آدمی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی نسل زمین پر نہ پھیلے۔ کوئی آدمی نہیں چاہتا کہ...... اس کے گھر میں شگوفے نہ کھلیں۔ کوئی آدمی خود کو بیمار دیکھنا نہیں چاہتا جب کہ خزاں رسیدہ درخت ایک طرح سے بیماری کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ ہم ایسے پانی کو دیکھتے ہیں جو پانی انتہائی درجہ تلخ ہے یا انتہائی درجہ گرم ہے تو ہمارے اوپر یقیناً وہ تاثرات قائم نہیں ہوتے جو شیریں، سفید اور ٹھنڈے پانی کو دیکھنے کے بعد طاری ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یہی ہے کہ کوئی آدمی کڑوا پانی پینا نہیں چاہتا۔ کوئی آدمی انتہائی تیز گرم پانی سے غسل کرنا نہیں چاہتا اور اس سے آگے بڑھیں تو ہمارے اوپر قدرت کا ایک عجیب انکشاف ہوتا ہے وہ یہ کہ پانی ایک ایسا (Metter) ہے جو جس ڈائی میں ڈال دیا جاتا ہے اس کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔ اس بات سے ایک قانون کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ڈائیاں مختلف ہیں (Matter) ایک ہے جب کیلے کے درخت کی شریانوں، رگوں اور پٹھوں سے گزر کر کیلے کی ڈائی میں جم جاتا ہے تو کیلا بن جاتا ہے اس (Matter) کو جب انار کی ڈائی میں ڈال دیا جاتا ہے تو انار بن جاتا ہے۔ آم کی ڈائی میں جا کر آم بن جاتا ہے۔ آدمی کے اندرفٹ ڈائی میں جا کر جب یہ پانی جمتا ہے تو آدمی بن جاتا ہے۔ بکری، گائے، بھینس کے اندرفٹ سانچوں میں جب یہ پانی جم جاتا ہے تو اس پانی کی شکل کہیں بکری بن جاتی ہے، کہیں گائے بن جاتی ہے اور کہیں بھینس بن جاتی ہے۔ قدرت کی کتنی بڑی صناعی ہے کہ (Matter) ایک ہے

Marfat.com

ڈائیاں کھرب ہا کھرب ہیں۔ ساتھ ساتھ ڈائی کے اندر شکل وصورت کی موجودگی میں رنگ بھی تبدیل ہوتے ہیں کہیں ایک رنگ ہوتا ہے۔ کہیں دس رنگ ہوتے ہیں، کہیں مکمل رنگ ہوتے ہیں حالانکہ درخت کی جڑوں کو جو پانی سیراب کرتا ہے اس کا رنگ ایک ہے۔ انار کے درخت میں جو پانی ڈالا جاتا وہ سفید ہے۔ لیکن جب ہم انار کو کھولتے ہیں تو ہمیں وہاں اللہ تعالیٰ کی عجیب صفت نظر آتی ہے ایسی خوبصورتی سے دانے جڑے ہوتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے وہ رنگین ہوتے ہیں، لال ہوتے ہیں، سفید ہوتے ہیں، زرد ہوتے ہیں۔ یہاں سے ایک نئے قانون کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ کہ ڈائی کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے یہ علم ودیعت کیا ہے کہ اس ڈائی نے سفید پانی کو کیا معنی پہنانے ہیں، کیا رنگ دینا ہے، کیا ذائقہ دینا ہے۔ مطلب بالکل صاف اور واضح ہے کہ جس طرح ایک آدمی شعور رکھتا ہے انار کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دیا ہے کہ اس کے اندر دوڑنے والے پانی کو اسے کیا رنگ دینا ہے، کیا ذائقہ دینا ہے، کیا شکل دینی ہے۔ بات پھر وہیں اسی آیت پر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم نے اپنی امانت سماوات پہاڑوں اورزمین پر پیش کی۔ ان سب نے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سماوات زمین اور پہاڑ بھی عقل وشعور رکھتے ہیں۔ عقل وشعور کا یہ عالم ہے کہ وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر جو ذمہ داری ڈالنا چاہتے ہیں ہم اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں ہمارے اندر اتنی استطاعت اورسکت نہیں ہے۔ ہم نے اگر آپ کے ارشاد کے مطابق اس امانت کو اپنے اوپر اٹھا بھی لیا تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ہمارا وجود ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ یہ بات کہنا کہ ہم اس علم کے متحمل نہیں ہیں اوراگر ہم نے علم کو اٹھالیا تو ہم نیست و نابود ہوجائیں گے۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سماوات و ارض اور جبال کو پورا پورا شعور حاصل ہے۔ ارض

Marfat.com

دراصل ایک طرح ماں کا پیٹ ہے جس طرح کوئی بچہ شکم مادر سے پیدا ہو کر شعور حاصل کرتا ہے شعور اس وقت حاصل کرتا ہے جب اس کے اندر شعور بنانے کی مشین یا شعور بنانے کا پیٹرن موجود ہو۔ اسی طرح جب زمین کی کوکھ سے کوئی درخت تولد ہوتا ہے اس کے اندر بھی شعور ہوتا ہے اور یہ کہاں سے آیا؟ کس نے بنایا، کس طرح وجود میں آیا؟ یہ سب باتیں ہمارے سامنے ہیں جس نے زمین بنائی، جس نے پانی بنایا۔ جس نے ڈائی بنائی، جس نے ڈائی کو یہ شعور بخشا کہ مجھے اس تصور کے اندر جو میرے اندر پرورش پا رہی ہے کیا شکل وصورت دینی ہے، کیا رنگ دینا ہے۔ اسی ذات مطلق نے شعور عطا کیا۔ اب اگر ہم اس ذات مطلق سے متعارف ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اس بات پر یقین کرنا پڑے گا کہ ایک ہی ذات مطلق ہے جس نے ہمیں اور ساری کائنات کو سنبھالا ہوا ہے اور اسی ذات مطلق کے ذہن کی عکاسی نئی نئی شکل و صورت میں نمودار ہو رہی ہے اب جب ہم اس یقین پر پہنچ جاتے ہیں کہ ذات مطلق ایک ہے۔ تو ہمارے اندر از خود یہ جستجو پیدا ہو جاتی ہے کہ اس ذات یا ہستی کو دیکھنا چاہیے، اس ذات مطلق کو خود سے قریب کرنا چاہیے اور ایسے اعمال کرنے چاہئیں جن سے ذات مطلق ہم سے خود قریب ہو جائے۔ قربت کے لیے ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ کام کریں وہ عادات و اطوار اختیار کریں جو اس ہستی کے اندر موجود ہیں جس ہستی سے ہم قریب ہونا چاہتے ہیں۔ ایک آدمی اگر کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتا ہے اور اس سے انتہائی درجہ قربت کا خواہاں ہے تو وہ جب اس کے ساتھ نماز ادا کرنے لگتا ہے تو از خود اس کی دوستی نمازی سے ہو جاتی ہے۔ ایک شرابی کے ساتھ اگر دوستی کرنا مقصود ہے تو اس کے ساتھ شراب پینے سے انتہائی درجہ قربت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک آدمی شطرنج کا شوقین ہے اور اس کی زندگی کا اہم مقصد شطرنج بن گیا ہے تو اس کے ساتھ شطرنج کھیلنے سے یا شطرنج میں دلچسپی لینے سے اس سے دوستی اور قربت

Marfat.com

پیدا ہونے لگتی ہے۔ کسی سینما کے شوقین سے دوستی کرنے کے لیے یہ بہت آسان طریقہ ہے کہ اس کے ساتھ فلم دیکھنا شروع کر دی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس جس آدمی سے آپ قریب ہونا چاہتے ہیں تو اگر اس کے عادات و اطوار اختیار کرلیں تو دوستی زیادہ ہوگی اور اس کی عادتیں اس طرح اختیار کرلی جائیں کہ اس دوست میں اور خود میں کوئی فرق نہیں رہے تو وہ دونوں دوست ایک جان دو قالب ہو جائیں گے اب دیکھنا یہ ہے کہ ذات مطلق جس نے یہ ساری کائنات بنائی ہے کیا کام کرتی ہے؟ تدبر اور تفکر سے کام لیا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مخلوق آرام و آسائش کی زندگی گزارے اور خوش رہے جب کوئی بندہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا اہم مقصد قرار دے لیتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت اس طرح کرتا ہے کہ اس خدمت کے پس پردہ کوئی خدمت، کوئی صلہ یا کوئی غرض نہیں ہوتی تو دراصل بندے نے وہی کام شروع کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں۔ اس خدمت میں عمل یا اس کام میں جتنا زیادہ انہماک ہوجاتا ہے جتنا زیادہ آدمی آگے بڑھتا ہے اسی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بندے نے ایسی زندگی اختیار کرلی ہے جو زندگی ہمارے لیے انتہائی درجہ پسندیدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کرتے ہیں اور اس پسندیدگی کے نتیجے میں بندے کو اپنی گود میں بیٹھا لیتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خوش ہو کر انہیں اچک لیتے ہیں۔

وفات

مخدوم جہانیاں جہاں گشت عید الضحیٰ کے دن ۷۸۵ھ کو وفات پائی آپ کا مزار اُچ شریف میں واقع ہے۔

Marfat.com

اقوال وارشادات

۱۔ جو شخص کھانے کے بعد خدا کا شکر ادا نہیں کرتا اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور خدا اُس پر نعمت تنگ کر دیتا ہے۔

۲۔ کبھی بھی کوئی کام ایسا نہ کرو جس میں رائی برابر توحید اور رسالت کے خلاف بات ہو۔

۳۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میرے گھر پر سینکڑوں لوگ کھانا نہ کھائیں میرا دل خوش نہیں ہوتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لیے اللہ کی نشانیوں پر غور کرنا چاہئے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۱۴۲ھ

وفات: ۱۲۰۵ھ

عمر: ۶۳ سال

ابتدائی حالات

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ۱۶ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کھرل قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ جو پنجاب میں آباد ہیں آپ کے والد صاحب زراعت کے پیشہ سے منسلک تھے آپ شہر زید کی ایک بستی چوٹالہ میں رہتے تھے کھرل قوم راجپوتوں کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق کرم چند سے ملتا ہے۔ خواجہ صاحب قرآن پاک بستی کے استاد مولوی میاں مسعود سے پڑھا۔ دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر آپ ڈیرہ غازی خان سے لاہور آ گئے۔

لاہور میں علم و حکمت کا مرکز

ڈیرہ غازی خان کے بعد آپ نے لاہور کا رُخ کیا۔ لاہور جو ہمیشہ علم و حکمت کا مرکز رہا ہے۔ یہاں آپ دونوں حضرات نے ایک مشہور مدرس کے درس سے استفادہ حاصل کیا۔ آپ علم کے حصول کے لیے گھر سے نکل تو پڑے تھے مگر مالی طور پر آپ کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ آپ اس قدر تہی دست تھے کہ زندگی گذارنا بھی آپ کے لیے محال تھا۔ ایسی کیفیت میں علم کی طلب اور معرفت کی تلاش جاری رکھنا کسی مردِ مجاہد اور مردِ حق کا ہی کام ہے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ان مصائب

Marfat.com

سے گلو خلاصی کر لیتا۔ مگر یہ بات تو عین حقیقت ہے کہ منزل پر پہنچنے کا شوق رکھنے والوں اور علم کی سچی لگن اور تلاش کرنے والوں کی تکالیف، مصائب اور پریشانیوں سے دو چار رہنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کو علم کا ایسا شوق تھا کہ اس کے لیے آپ نے کچھ عرصہ گداگری بھی کی۔ اگرچہ اہل اللہ میں گداگری کرنا سخت ناپسندیدہ سا عمل ہے۔ مگر یہ تو آپ کی منشأ نہ تھی بلکہ یہ تو خدا کیطرف سے ایک امتحان اور آزمائش تھی جس میں آپ پورے اترے۔ گداگری کی کیفیت میں ہی آپ ایک مرتبہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ آپ کو اندھیری رات میں کیچڑ زدہ گلیوں اور شدید بارش میں چلنا دوبھر ہو گیا۔ اس دوران آپ خدا کے آگے گڑگڑائے اور عرض کی۔

علم و معرفت کی دعا

"اے باری خدا۔ مجھے علم و معرفت کی کامل منزل تک پہنچا جس کے لیے میں گداگری جیسی لعنت میں مبتلا ہوا ہوں اس سے مجھے نجات عطا فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی تو علماء و صلحا کا بڑا مرکز تھا۔ اس گئے گزرے دور میں بھی یہاں علم کی تشنگی دور کرنے کے لیے۔ بے شمار ایسی درس گاہیں تھیں جو تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کے لیے اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔ انہی درس گاہوں میں نواب غازی الدین کا مدرسہ بھی شامل تھا جو قابل اساتذہ کی وجہ سے بہت مقبول تھا۔ حضرت خواجہ نور محمدؒ نے اسی مدرسہ میں قدم رکھا۔

روح پرور واقعات

خواجہ نور محمد صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچے اُس وقت آپ اپنے دولت کدے پر موجود نہیں تھے چنانچہ پہلے دن ملاقات سے محروم رہے۔ اگلے دن جب آپ دوبارہ مرشد گھر پہنچے تو اس وقت ظہر کا وقت تھا۔ حویلی کے دروازے پر

Marfat.com

دربان بیٹھے تھے اُنہیں دیکھ کر خواجہ نور محمد ڈر گئے اور اندر جانے کی ہمت نہ کی لیکن کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ حویلی کے اندر عام لوگ بلا اجازت آجارہے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی حوصلہ کر کے حویلی کے اندر چلے گئے۔ آپ کو اچانک یہ خیال آیا کہ میری تو مسافرت میں ایسی حالت ہوگئی ہے کہ نہ لباس ڈھنگ کا ہے اور نہ ہی حلیہ درست ہے۔ شاید حضرت مجھے قابل اعتنا ہی نہ سمجھیں۔ مگر جب آپ حویلی کے اندر اس مقام پر جا پہنچے جہاں حضرت تشریف فرما تھے تو آپ کے دل کے اندر آنے والے خیالات غلط نکلے۔ اور حضرت فخر الدین نے جونہی آپ کو دیکھا اپنے تخت سے اُتر کر آپ کی پذیرائی کے لیے آگے بڑھے اور نہایت محبت و پیار کے ساتھ آپ کو گلے لگالیا۔ اور ایسا برتاؤ کیا جیسا ایک محب مشفق اور دیرینہ بچھڑا ہوا دوست کرتا ہے۔ پھر حضرت نے خواجہ صاحب سے پوچھا۔

''نور محمد! آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔'' عرض کی ''حضرت! میں پاکپتن کا باسی ہوں۔''

فرمایا ''کیا آپ بابا کی اولاد ہیں۔'' عرض کی گئی ''نہیں حضرت۔''

حضرت فخر الدینؒ کو پاکپتن کا نام سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے خواجہ نور محمد سے پھر پوچھا۔

''بھئی! آپ تو بڑی اعلیٰ وارفع سرزمین سے تشریف لائے کیا میرے لائق کوئی خدمت ہے تو بتاؤ گے؟ میں تو بابا کی نگری سے آنے والوں سے بہت محبت کرتا ہوں۔''

خواجہ نور محمد نے عرض کی ''حضرت! میں علم وعرفان کا طالب و متلاشی ہوں۔ میں نے سنا ہے آپ صاحب علم ہیں اور لوگوں کو درس و تدریس سے نوازتے ہیں۔ میری بھی یہی تمنا ہے اور پرامید ہوں کہ آپ میری علمی تشنگی کو دور فرمادیں گے۔''

Marfat.com

حضرت مولانا فخر الدینؒ نے سوال کیا "نور محمد! پہلے کہاں پڑھتے رہے ہو۔"
جواب دیا گیا "حضور! پہلے مولوی برخوردار صاحب سے پڑھتا تھا مگر کافی عرصہ سے پڑھائی موقوف کر رکھی ہے۔"

حضرت نے فرمایا "نہیں نور محمد نہیں پڑھائی ترک کرنا غلط بات ہے آپ پھر سے مولانا برخوردار صاحب سے پڑھنا شروع کر دیں اور جو سبق وہ دیں اس کا اعادہ آپ روزانہ ہمارے پاس آکر کرلیا کریں۔"

خواجہ نور محمد نے عرض کی "حضور! مولوی برخوردار صاحب کے مکان اور آپ کے گھر کے درمیان کافی فاصلہ ہے اس لیے ناچیز کے آنے جانے میں بہت سا وقت ضائع ہوگا۔ اس لیے اس کمترین کو آپ اپنی شاگردی ہی میں لے لیں۔"

حضرت مولانا فخر الدین کی خدمت میں کسی شخص نے عرض کی "حضرت آپ نے کھرل قوم کے جس پنجابی مرید کو اپنی بیعت میں لیا ہے وہ تو ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جس کے ایک فرد مرزا نے سیال قوم کی خوبصورت لڑکی صاحباں کو اپنے جال محبت میں پھنسا لیا تھا۔ جس کی پاداش میں سیالوں نے جوش غیرت میں آکر مرزا کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس لیے بہتر ہے آپ اس کھرل قومیت کے پنجابی مرید کو اپنے پاس رکھنے سے گریز کریں۔"

حضرت نے اپنے بہی خواہ سے اپنے پنجابی کھرل مرید اور اس کی قوم کے بارے میں باتیں سنیں تو متبسم ہو کر فرمانے لگے۔

"مرزا کھرل نے تو صرف سیالوں کی ایک خاتون کو اپنا شیدا بنایا تھا۔ انشاءً اللہ ہمارا یہ پنجابی کھرل نور محمد ایک دنیا کو اپنا گرویدا بنا دے گا اور لوگ اس کے پیچھے دیوانہ وار پھریں گے۔"

روحانی توجیہہ:

حضرت خواجہ نور محمد مہاردی فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق سے اللہ خوش ہوتا

Marfat.com

اور یہی طرز فکر بندہ کو اللہ کے قریب کر دیتی ہے۔

میرے مرشد کریم اس قول کی روحانی توجیہہ ایسے فرماتے ہیں:

وہ طرز فکر کیا ہے جو بندہ کو اس کے رب سے قریب کر دیتی ہے۔ انسان کی زندگی پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ خواہشات کے مجموعہ کا نام آدمی ہے اور خواہشات کے حصول کے بہت سے ذرائع اس کی زندگی ہیں۔ انسان کے اندر خواہشات ابھرتی ہیں، وہ ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مختلف ذرائع تلاش کرتے ہیں اور ذہنی و عملی جدوجہد کر کے ان کی تکمیل کرتا ہے دراصل زندگی خواہشات اور تقاضوں کا دوسرا نام ہے۔ مثلاً بھوک ایک خواہش ہے، پیاس ایک خواہش ہے۔ آدمی کے دل میں یہ تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ وہ کسی سے پیار کرے اور کوئی اس سے پیار کرے، یہ بھی ایک خواہش ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کا نام باقی رہے۔ یہ بھی ایک خواہش ہے، مطلب یہ ہے انسان سراپا احتیاج ہے، ضرورت ہے۔

انسان کے عمومی حالت یہ ہے کہ وہ زندگی کے وسائل حاصل کرنے کے لیے اور اپنے تقاضے پورے کرنے کے لیے لوگوں سے توقعات وابستہ کرتے ہیں کبھی اس کا رُخ والدین کی طرف ہوتا ہے کہ والدین اس کی ضروریات پوری کریں۔ کبھی یہ رُخ اولاد کی طرف ہو جاتا ہے کہ اولاد بڑھاپے کا سہارا بنے گی۔ کبھی وہ اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرتا ہے اور علم و دانش کو وسائل کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ کچھ حاصل ہو جاتا ہے تو کہتا ہے۔ ”میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اپنے علم و اپنی قوت بازو سے حاصل کیا ہے۔“ کبھی قارون و فرعون بن کر دعویٰ کرتا ہے کہ میں لوگوں کا حاجت روا ہوں۔“

اس طرح وہ خود کو فریب دے کر سراب زدہ مسافر کی طرح بھٹکتا رہتا ہے اور نتیجہ میں اس کو خسارے اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اپنی زندگی کا

Marfat.com

مقصد اور تمام جسمانی و ذہنی کوششوں کا رُخ صرف اور صرف جسمانی تقاضوں اور خواہشات کی تکمیل بنالیتا ہے۔ اور پھر جب اس کی زندگی کا مقصد کوئی نہیں رہتا تو خواہشات کا سلسلہ اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ جو کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں جو کسی اور مقصد کے لیے ودیعت کی گئی ہیں محض خواہشات کی تکمیل میں خرچ ہو جاتی ہیں۔

انبیائے اکرام کے تذکروں، ان کی طرزفکر اوران کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو ایک مشترک بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان تمام قدسی نفس حضرات نے نوع انسانی کے اندر یہ طرزفکر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ فی الواقع انسان کا اصل رشتہ اللہ سے ہے۔ اللہ ہی اسے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہی زندگی میں کام آنیوالے وسائل تخلیق کر کے انسان کی جملہ ضروریات پوری کرتا ہے۔ زندگی کے تقاضے بھی اللہ کی طرف سے ہیں اور ہم زندگی میں ہر قدم پر یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے اندر زندگی کا جو بھی تقاضا ابھرتا ہے اس کی تکمیل کے لیے وسائل پہلے سے موجود ہیں۔ یعنی زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسائل فراہم کر دیئے ہیں اور وسائل کی فراہمی اس بات کی شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر ضرورت کے کفیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں اپنی صفات کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے۔

''کہو اللہ یکتا ہے، اللہ احتیاج اور ضرورتوں سے مبرا ہے، وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی خاندان ہے۔''

اس سورۂ مبارکہ میں پانچ باتوں کا ذکر ہوا ہے: (۱) اللہ کثرت نہیں ہے۔ (۲) وہ احتیاج اور ضرورتوں اور کسی سے توقع کرنے سے پاک ہے۔ (۳) وہ نہ کسی کا باپ ہے (۴) اور نہ کسی کی اولاد ہے (۵) اور نہ اس کا کوئی خاندان ہے۔

تفکر سے بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان پانچ باتوں میں سے صرف ایک بات

Marfat.com

ایسی ہے جس میں بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست رشتہ ہے۔ بندہ یکتا نہیں ہوسکتا۔ وہ کسی کا باپ ہوتا ہے یا کسی کا بیٹا ہوتا ہے اوراس کا خاندان ہونا بھی ضروری ہے۔ صرف ایک بات میں یعنی اللہ الصمد" کہ اللہ احتیاج اور ضرورتوں سے ماوراء ہے۔" کوئی بندہ اللہ کے ساتھ ہم رشتہ ہوسکتا ہے وہ اس طرح کہ وہ اپنی تمام ضروریات، توقعات اوراپنے ہر عمل کو اللہ کی طرف موڑ دے اور صرف اسی سے وابستہ ہوکر رہ جائے۔ اس عمل کو تصوف میں استغناء کہا جاتا ہے۔ استغناء اللہ سے قریب ہونے کا اوراللہ کا عرفان حاصل کرنے کا آسان ترین طریقہ ہے۔ انبیاء اکرامؑ اوران کے شاگرد اولیاء اللہ کی طرزِ فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تمام ضروریات صرف اور صرف اللہ سے وابستہ رکھتے ہیں۔

استغناء کی صفت کا حامل بندہ اپنی زندگی (Routine) میں گزارتا ہے۔ یعنی وہ زندگی کے تمام اعمال وحرکات اورتمام تقاضوں کوضرورت کے تحت پورا کرتا ہے۔ اسے مقصد زندگی نہیں بنالیتا۔ اس کا مقصد زندگی صرف اورصرف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ کھاتا ہے تو اس لیے کہ بھوک اللہ کا پیدا کردہ ایک تقاضا ہے اوراللہ تعالیٰ اس کو پورا ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی تعلیم وتربیت مناسب طریقہ پر ہو۔ استغناء کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان ایک جگہ بے حس وحرکت ہوکر بیٹھ جائے۔ استغناء کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ہر توقع اللہ کے ساتھ وابستہ کرلے اپنی کرششوں کے نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے اوراپنی ہر حرکت اور ہر عمل کو اللہ کی ذات کی طرف موڑ دے اور ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے۔ رحمانی طرز فکر کے حامل بندے کا طرز عمل یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر شے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اوراپنے تمام معاملات کو اللہ کے اوپر چھوڑ دیتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں انسانی ذہن کا خلفشار اور بے چینی عروج پر ہے۔ عامۃ

Marfat.com

المسلمین کی ذہنی پریشانی، عدم تحفظ کا احساس، خوف اور مستقبل کی طرف سے مایوسی کی وجہ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ ہم نے اپنے معاملات کو اللہ پر چھوڑنے کی بجائے، مادی وسائل اور ذرائع کو ہی سب کچھ سمجھ لیا ہے ہم آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کے لیے دن رات کوشش میں مصروف ہیں اور ہماری خواہشات ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ ایک دوڑ ہے جو ہمیں ہوس پرستی کے خیالی گھوڑے پر آگ کی طرف دھکیل رہی ہے اور ذہنی کرب کے نقوش ہمارے چہرے سے عیاں ہیں۔

ان تمام مسائل سے نجات کا واحد راستہ استغناء ہے جو تمام انبیائے کرامؑ کی سنت ہے۔ استغناء کی تفسیر یہی ہے کہ اپنی زندگی کی ڈور اللہ کے سپرد کردی جائے اور مکمل طور پر اس کو اپنی ضروریات کا کفیل سمجھا جائے۔ اپنے ہر عمل اور ہر حرکت کا رُخ اسی طرح رکھا جائے۔ عمل کے پہلو سے کبھی منہ نہ موڑا جائے۔ البتہ اس کے نتائج کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دیا جائے۔

وفات

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ۱۲۰۵ھ کو آپ نے وفات پائی۔

اقوال وارشادات

۱۔ کامل انسان عالم کی جان ہوتا ہے۔ اس کی وفات سے دنیا علم کے ایک حصے سے محروم ہو جاتی ہے۔

۲۔ اچھے اخلاق سے اللہ خوش ہوتا ہے اور یہی طرز وفکر بندہ کو اللہ کے قریب کرتی ہے۔

۳۔ فقیر کا کام ہر ایک کے لیے دعا کرنا ہے۔

۴۔ لوگوں کے قول وفعل میں بہت تضاد ہوتا ہے۔

۵۔ جو کوئی کسی سے ناراض ہو اسے اپنے دشمن کو راضی کر لینا چاہیے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۱۸۲ھ

وفات: ۱۲۶۷ھ

عمر عزیز: ۸۵ سال

ابتدائی حالات

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کوہستان گڑ گوجی میں ۱۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام جناب ذکریا تھا جو کہ افغانوں کے جعفر قبیلے کے سردار تھے۔ حضرت ذکریا خود بھی صاحب علم تھے آپ کے والد کا سایہ بچپن میں ہی اٹھ گیا تھا۔ پھر آپ کی والدہ نے آپ کی تعلیم بڑے اچھے طریقے سے کی۔ آپ نے میاں حسن علی صاحب کے پاس تونسہ میں آکر علم حاصل کرنا شروع کیا۔ پھر آپ تونسہ سے لانگھ چلے گئے جو تونسہ سے ۵ میل مشرق کو تھا اور یہاں پر میاں ولی محمد صاحب آف لانگھ کی خدمت میں رہ کر مزید تعلیم حاصل کی۔

خواجہ نور محمد مہاردی سے ملاقات

حضرت سلیمان تونسویؒ کو اُچ شریف پہنچ کر خواجہ نور محمد مہاردی کی آمد کی خبر ہوئی۔ آپ نے اپنے امر بالمعروف ونہی المنکر کے شوق کی تکمیل کی غرض سے سماع کے مسئلہ پر حضرت خواجہ صاحب سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر حضرت کی بارگاہ میں پہنچ کر آپ کے اندر ہمت ہی نہ رہی کہ کوئی سوال کرسکیں۔ حتیٰ کہ تین روز تک اسی کش مکش میں رہے کہ کس طرح سوال و جواب کریں۔ آخر ایک روز حضرت خواجہ نور

Marfat.com

محمد صاحبؒ کی نظر آپ پر پڑی آپ تاڑ گئے کہ یہی وہ شہباز ہے چنانچہ قاضی محمد عاقلؒ سے آپ کی بابت پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے۔ قاضی صاحب نے آپ کے بارے میں بے کم و کاست سب کچھ بیان کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ یہ فقیر امر معروف کے ارادہ سے یہاں آیا ہے۔ خواجہ صاحب نے ساری باتیں سنیں اور فرمایا:

''آرے بسیار بلند ہمت و وسیع نہضت بنظر مے آید''

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ڈرتے ڈرتے حضرت قبلہ عالم نور محمد مہارویؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے آپ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کے مزار کے سرہانے کی طرف لے جا کر آپ کو بیعت کیا۔ یوں خواجہ نور محمد صاحبؒ نے اپنے مرشد مولانا فخر الدینؒ کے حکم سے کوہستان کے شہباز بلند پرواز (حضرت سلیمان تونسوی) کو قابو کیا۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے چھ سال حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں گذارے۔ تصوف۔ منطق اور فقہ کی تمام کتابیں آپ سے از سر نو پڑھیں۔ حضرت قبلۂ عالمؒ سے آپ نے باطنی استفادہ حاصل کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام روحانی منازل طے کر لیں۔ بائیس سال کی عمر میں آپ کو اجازت و خلافت عطا ہوئیں اور مسند ارشاد پر بیٹھنے کا حکم ملا۔

حضرت نور محمد مہاروی نے آپ کے بارے میں فرمایا:

''اس لڑکے نے روحانی اسرار اور نعمت الٰہی کے حاصل کرنے میں ہمیں مستعجب و حیران کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کس قدر وسیع حوصلہ عطا فرمایا ہے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کی استعداد اور قابلیت اس سے کئی گنا بڑھ کر ہوتی ہے۔''

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے مشابہہ

تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان تونسویؒ کی شکل و صورت حضرت عبد

Marfat.com

القادر جیلانیؒ سے مشابہہ تھی۔ آپ کا چہرہ گول اور قدرے کتابی بھی تھا۔ آپ کی پیشانی کشادہ اور رنگ سفیدی مائل تھا۔ آنکھیں خوب صورت اور پرکشش تھیں جبکہ پلکیں دراز تھیں۔ کان متوسط اور ریش مبارک نہ بہت گھنی نہ پتلی تھی۔ قد اوسط درجے پر دراز تھا۔ جسامت قدرے بھاری تھی۔ دیکھنے والے پر آپ کی شکل وصورت کا نہایت دلکش اثر پڑتا تھا۔ آپ کے مزاج میں نفاست اور طبیعت میں لطافت تھی۔ اس لیے آپ کو لباس میں خوب صورتی اور پاکیزگی کا خیال خاص رہتا تھا۔ بھدے اور میلے لباس کو آپ بالکل پسند نہ فرماتے تھے۔ گرمی کے موسم میں سر پر سفید کھادری ٹوپی پہنتے تھے جو نہایت خوبصورت کٹی ہوئی ہوتی تھی اور اس کے گرد حاشیہ لگا ہوا ہوتا تھا۔ عموماً ململ یا لٹھے کا پیراہن زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ نواب بہاول پور کا دستور تھا کہ سردیوں کے موسم میں روئی کی ایک قبا تیار کروا کر بھیج دیتے جس کے گریبان پر زر دوزی کا کام ہوتا تھا۔ آپ اس کو بہت شوق سے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اس کے نیچے کبھی تہہ بند باندھتے اور کبھی پاجامہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔

چارپائی پر غالیچہ یا روئی کی خوب صورت تو شک بچھی رہتی تھی جس پر آپ استراحت و آرام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت قبلہ عالمؒ کو ان کی والدہ ماجدہ صغیرہ سنی میں معالج کی طرف لے کر جارہی تھیں کیونکہ وہ سخت بیمار تھے۔ راستے میں ان کی ملاقات حضرت میاں محمد ماہؒ سے ہوگئی۔ انہوں نے حضرت کی والدہ محترمہ کو روک کر فرمایا ''اے محترم خاتون! مجھے اس بچے کی زیارت تو کراؤ'' حضرت کی والدہ صاحبہ نے بچہ اُن کی گود میں رکھ دیا۔ زیارت کر چکنے کے بعد حضرت میاں محمد ماہ صاحبؒ نے پوچھا ''محترمہ! آپ اس بچے کو کہاں لے کر جارہی ہیں'' انہوں نے بتایا ''بچہ سخت بیمار ہے اس کو طبیب کے پاس لے کر جارہی

Marfat.com

ہوں۔" حضرت میاں محمد ماہؒ نے فرمایا "آپ اس بچے کو لے کر گھر واپس جائیں۔ اس کو حق تعالیٰ خود بخود شفا دے گا۔" نیز پیش گوئی فرمائی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اہل مشرق ومغرب کا معالج ہوگا لہٰذا اس کو کسی علاج کی ضرورت نہیں۔"

روح پرور واقعات

آپ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کا جو بھی گناہ دیکھتے ہیں اس سے درگذر فرماتے ہیں۔ لیکن اگر بندہ کسی میں کوئی عیب و گناہ دیکھتا ہے تو اسی وقت وہ اس کو اس کی پاداش میں ذلیل وخوار کرتا ہے۔ لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل سے اسکی پردہ پوشی کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اس لیے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کریں تاکہ اُن کی پردہ پوشی کی جائے۔ آج اگرچہ روحانیت، عشق اور دوائے دل بیچنے والوں کی دکانیں بھری پڑی ہیں اور ہر طرف مادی اجناس اور متاع مکروفن کے لین دین کی گرم بازاری ہے۔ تاہم عشق ومحبت اور سوز وگداز کی جنس کمیاب ابھی بالکل نایاب نہیں ہوئی۔ اس گئے گذرے دور میں بھی اس متاع گراں مایہ کے مخازن کا پتہ چلتا ہے یا چلایا جاسکتا ہے۔ مگر تلاش شرط ہے۔ جو لوگ تلاش وجستجو کے باوجود بھی اس گوہر مقصد کا سراغ نہیں پاسکتے ان کے لیے اہل اللہ کی صحبت کے برابر فیض حاصل کرنے اور اہل اللہ سے ایک قسم کی ملاقات کرنے کا نہایت آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کے ملفوظات ومکتوبات کا مطالعہ کریں۔

اہل اللہ کے ملفوظات ومکتوبات میں آج بھی دلوں کو گرمی پہنچانے اور معرفت حق کی چاشنی کا مزہ دینے کی تاثیر موجود ہے۔ ان کے مطالعے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عشق حاصل ہوتا ہے دنیا پرستی سے نفرت اور آخرت کی طلب و یاد دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ بلاشبہ ان ملفوظات میں وہ سب کچھ موجود ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد آج بھی ہماری سماجی اور معاشرتی برائیوں کا قلع قمع ہوسکتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی

Marfat.com

تطہیر کے لیے ان ملفوظات میں مجرب نسخے درج ہیں۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے بھی اپنے ملفوظات، مکتوبات اور کتب میں زمانے کی برائیوں کا ذکر اور اُن کو دور کرنے کی تدابیر بیان فرمائی ہیں۔ بڑے ہی شگفتہ اور دلچسپ انداز میں ایک لائحہ عمل اور ہدایت تحریر فرمائی ہے جس سے عوام وخواص، علماء فضلاء، عشاق و زہاد، شعراء اور اُمراء غرض ہر طبقہ کے لوگ ان سے بہرہ ور ہو کر دنیا کو سلف صالحین کا نمونہ دکھا سکتے ہیں۔ ہر نصیحت کے ساتھ ایک حکایت تمثیلاً بیان کی گئی ہے۔ میاں یار محمد بلغانی روایت کرتے ہیں کہ خواجہ سلیمان تونسویؒ ورگ (ایک جگہ کا نام) میں تشریف فرما تھے کہ ایک روز ایک شخص اپنی بیوی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی پر جن کا سایہ ہے۔ آپ خدا کے لیے اس کا کوئی علاج فرمادیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے جن کو حکم دیا ''تم نے اس بیچاری عورت کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے اس کی جان چھوڑ دو۔'' جن نے عرض کی۔ ''اے خواجہ خواجگان! چند روز سے میرا بچہ سخت بیمار ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بچے کی بیماری دور کرنے کا تعویز حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کام کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو میں نے اس عورت کو گرفتار کر لیا تا کہ اس کے وسیلہ سے آپ کی زیارت بھی ہو جائے اور میں اپنے بچے کے لیے تعویز بھی حاصل کرسکوں۔''

حضرت غریب نواز نے فرمایا ''تم تعویز کس طرح حاصل کرو گے۔'' اس جن نے عرض کی آپ تعویز کو فلاں پتھر کے نیچے رکھ دیں میں وہاں سے حاصل کرلوں گا۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے مطلوبہ تعویز پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ جن نے اس طرح اُس عورت کی جان چھوڑ دی اور خود تعویز لے کر مفقود ہو گیا۔ عورت اچھی ہو گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلیمان ملک سے انسان ہی فیضاب نہیں ہوتے تھے بلکہ جن بھی آپ کے در سے درد کا درماں حاصل کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ ایک دولت مند مال وزر کے نشے میں چور حضرت غریب نواز کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا "یا خواجہ! یا مجھے موسیٰؑ بنا دو یا فرعون بنا دو۔ حضرت نے سکوت طاری کیے رکھا۔ اُس شخص نے دوبارہ اپنا مدعا دُہرایا۔ آپ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب اس شخص نے اپنی بات دُہرائی تو آپ نے فرمایا "تم نے کہا کہ تمہیں موسیٰؑ بنا دیا جائے یا فرعون، جہاں تک موسیٰؑ کا تعلق ہے تو وہ اللہ کے نبی تھے اور نبوت تو ہمارے رسول کریم ﷺ پر ختم ہوچکی ہے۔اس لیے تمہارا موسیٰؑ بننا ممکن نہیں ہاں البتہ فرعون بننا چاہتے ہوتو وہ بن سکتے ہو۔وہ شخص سخت شرمندہ ہوا اور آپ سے معافی کا طلب گار ہوا۔ آپ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اُس کو ظاہری و باطنی دولت سے مالا مال کیا اور نصیحت کی کہ ایسی خواہش آئندہ مت کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے تم پر کرم کر دیا ہے۔ ورنہ تم فرعون بنا دیے جاتے تو تمہاری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتیں۔

حضرت غریب نوازؒ کے سجادہ نشین بیان فرماتے ہیں حضرت سلیمان تونسویؒ نے ہمیں اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا جو اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ آپ مادرزاد ولی تھے۔ قصہ یوں ہے کہ تونسہ کے امراء اور روسا نے ایک روز طوائفوں کا مجرا کروایا۔ حضرت کو ان باتوں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ وہ محض تماشا دیکھنے چلے گئے تھے۔ یہ رنگ و بو کی محفل رات گئے تک جاری رہی۔ آپ بھی وہاں پر کھڑے ناچ گانا دیکھتے رہے اچانک آپ کو نیند آ گئی اور آپ اسی جگہ جہاں کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے سو گئے۔ خواب میں آپ نے ایک بزرگ کو دیکھا جو آپ پر سخت ناراض تھے۔ انہوں نے آپ کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور فرمایا "تم ان طوائفوں کا تماشہ دیکھنے آئے تھے تمہیں معلوم نہیں یہ کتنی بری بات ہے یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔"

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میری جب آنکھ کھلی تو طوائفیں جا چکی تھی لیکن

Marfat.com

میرے رُخسار پر طمانچے کے واضح نشان تھے بلکہ اُس بزرگ کی اُنگلیاں میرے گالوں پر جم گئی تھیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے کئی سالوں بعد میں حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد مہاروی صاحبؒ سے بیعت ہوا تو میں دیکھ کر حیران و پریشان ہوگیا کہ یہ وہی بزرگ تھے جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا اور انہوں نے مجھے تھپڑ مار کر مجھے طوائفوں کا تماشا دیکھنے کی سرزنش کی تھی۔

ایک مرتبہ مولوی غلام حیدر صاحب حضرت خواجہ تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی "غریب نواز جب میں نے شہر پرداز میں سکونت اختیار کی تو ایک قطعہ زمین میں باجرہ کاشت کیا لیکن وہ بھی خشک ہوگیا۔" حضرت نے فرمایا "کہ آپ خواہ شام میں چلا جائے یا روم میں جو کچھ اس کی قسمت میں ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی جو کچھ حق تعالیٰ نے ازل سے اس کے لیے مقدر فرما دیا ہے جہاں جائے گا اسے پہنچ جائے گا۔"

روحانی توجیہہ:

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی فرماتے ہیں کہ مرشد کریم ظاہری آنکھ سے نہ دیکھا جائے۔ میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اس قول کی یوں روحانی توجیہہ فرماتے ہیں:

علم کی دو اقسام ہیں۔ علم کی ایک قسم کا نام حضوری ہے دوسرا نام علم حصولی ہے۔ یعنی ایک علم یہ ہے کہ آدمی اپنی کوشش، محنت جدوجہد، اور صلاحیتوں کے مطابق ظاہری اسباب میں رہ کر کوئی علم سیکھتا ہے اور اس میں مادی وسائل بروئے کار آتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی لوہار بننا چاہتا ہے اب اس کے سامنے تین چیزیں ہیں۔ ایک لوہا، دوسرے وہ صلاحیت جو لوہے کو مختلف شکلوں میں ڈھالتی ہے اور تیسرے صلاحیت کا استعمال جب وہ اس صلاحیت کو استعمال کرتا ہے تو اس لوہے سے بے شمار

Marfat.com

چیزیں بن جاتی ہیں۔

کسی علم کے سیکھنے کے لیے ایک کومن فیکٹر (Common Factor) نیت ہے یعنی وہ کس لیے سیکھا جارہا ہے؟ اس علم کی بدولت جو چیزیں تخلیق پا رہی ہیں۔ ان چیزوں میں تخریب کا پہلو نمایاں ہے یا اس کے اندر تعمیر پنہاں ہے جس طرح لوہا ایک دھات ہے اس طرح صلاحیت بھی ایک ہے یعنی لوہے کو مختلف چیزوں میں ڈھالنا۔ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ چیزیں کس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اس کے اندر تعمیر ہے یا تخریب۔ لوہے کی دھات سے ایسی چیزیں بھی بنتی ہیں جن کے اوپر انسان کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے۔ مثلاً چمٹا، پھونکنی، توا، ریل کے پہیے، ریل کے ڈبے ہوائی جہاز اور دوسری بے شمار چیزیں اور اگر نیت میں تخریب ہے تو یہی دھات نوع انسانی کی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے جیسے بم، میزائل، ٹینک وغیرہ۔

علم حصولی ایک ایسا علم ہے جو وسائل کے تعین کے ساتھ سیکھا جاتا ہے وسائل ہوں گے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے۔ وسائل نہیں ہوں گے۔ تو یہ علم نہیں سیکھا جاسکتا۔ قلم ہوگا تو تحریر کاغذ پر منتقل ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ قلم وسیلہ ہے اس بات کے لیے کہ تحریر کاغذ پر منتقل کی جائے۔ علم حصولی کے لیے وسائل کے لیے وسائل کے ساتھ ساتھ استاد کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسا جو گوشت پوست سے مرکب ہو۔ اور ٹائم اسپیس میں مقید جسمانی خدوخال کے ساتھ موجود ہو اور یہ بتائے کہ قلم اس طرح پکڑا جاتا ہے اور قلم سے الف۔ ب۔...... اس طرح لکھی جاتی ہے۔

علم کی دوسری قسم علم حضوری ہے۔ علم حضوری ایک ایسا علم ہے جو مادی وسائل کا محتاج نہیں ہے اس علم کو سیکھنے کے لیے کاغذ قلم، دوات کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ علم مادی وسائل سے ماوراء ہے جس طرح حصول علم کو سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حضوری علم کو سیکھنے کے لیے بھی استاد کی ضرورت پیش آتی

Marfat.com

ہے۔ کیونکہ یہ علم ٹائم اسپیس کی حدود سے باہر ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ استاد مادی خدوخال اور مادی وسائل کے ساتھ شاگرد کے سامنے موجود ہو۔

علم حصولی کے طالب کو شاگرد کہا جاتا ہے اور علم سیکھانے والے کو استاد کا نام دیا جاتا ہے علم حضوری سیکھنے والے طالب علم کا نام مرید ہے اور سکھانے والے کا اصطلاحی نام مراد ہے جب کوئی مرید اپنے مراد سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنی طرز فکر میں تبدیلی پیدا کرنا ضروری ہے بالفاظ دیگر اس کے لیے استاد کی طرز فکر حاصل کرنا واجب ہے۔

علم حصولی میں استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ طالب علم کو صلاحیتوں کا استعمال سکھا دے ایک آدمی تصویر بنانے کا فن سیکھنا چاہتا ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کو یہ بتا دے کہ تصویر کس طرح بنتی ہے پنسل کس طرح پکڑی جاتی ہے؟ لکیروں، دائروں اور قوسوں کے تناسب سے تصویر کس طرح تشکیل پاتی ہے؟ شاگرد جب استاد کی ہدایات پر عمل کرتا ہے تو وہ تصور بنالیتا ہے لیکن یہ تصویر اس کی اپنی صلاحیتوں کا اظہار ہوتی ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا تھا کہ اسے تصویر بنانے کا قاعدہ سمجھا دیا۔ جتنی مشق کی جائے گی۔ اسی مناسبت سے تصویر کی خدوخال بہتر اور خوب صورت ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے متضاد علم حضوری میں مراد مرید کے اندر اپنی صلاحیتیں منتقل کردیتا ہے۔ مرید جب تصویر کشی کرے گا۔ تو اس تصویر میں مراد کی صلاحیت کا عکس نمایاں ہوگا۔ صلاحیتوں کا منتقل کرنا مادی وسائل کا محتاج نہیں ہے صلاحیتوں کو قبول کرنے کے لیے اور مراد کی طرز فکر کو اپنانے کے لیے صرف اور صرف ایک بات کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ مرید خود اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ مراد کے سپرد کردے۔ اور اپنی ذات کی اس طرح نفی کرے کہ اس کے اندر بجز مراد کے کوئی چیز نظر نہ آئے۔ جیسے جیسے یہ طرز مرید کے اندر مستحکم ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے

Marfat.com

مراد کی طرز فکر مرید کے اندر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ حضرت اویسؒ قرنی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ حضرت اویس قرنیؒ کی حضور اکرم ﷺ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن محبت اور قربت کا یہ عالم تھا۔ کہ حضرت اویسؒ کے تذکرے سے حضورؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اٹھتا تھا۔

دماغ آدمی کے اندر دراصل ایک اسکرین ہے بالکل ٹی وی کی طرح۔ ٹی وی اسٹیشن سے آواز اور تصویر نشر ہوتی ہے اور بغیر کسی وقفہ کے ٹی وی اسکرین پر منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح جب مراد اپنے مرید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مراد کی ٹائم اسپیس کو حذف کرنے والی صلاحیتیں مرید کے دماغ کی اسکرین پر متحرک ہو جاتی ہیں اور جیسے جیسے یہ منتقلی عمل میں آتی ہے مرید کے اندر ذہنی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مرید کی طرز فکر مراد کی طرح ہو جاتی ہے۔

مراد کی صلاحیتیں مرید کی صلاحیتیں بن جاتی ہیں اور جب یہ عمل اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ تو مراد اور مرید ایک ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ دونوں کی گفتگو ایک ہو جاتی ہے دونوں کی شکل وصورت ایک ہو جاتی ہے اور دونوں کی طرز گفتگو ایک ہو جاتی ہے۔ ایسے بے شمار واقعات تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔ کہ مراد کے جسم کے کسی حصہ میں درد ہوا تو مرید نے بھی اسی وقت اپنے جسم کے اسی حصہ میں درد محسوس کیا۔ مراد کو بخار ہوا۔ مرید بھی بخار میں تپنے لگا۔ جب کہ مرید مراد سے ہزاروں میل کے فاصلے پر موجود تھا۔

اگر مرید کے اندر جذبہ صادق ہے اور مرید مراد سے عشق کے درجہ میں محبت کرتا ہے تو پھر دور دراز کے فاصلے معدوم ہو جاتے ہیں اور مرید ہزاروں میل دور رہ کر بھی مراد یا پیر و مرشد سے فیضیاب ہوتا ہے۔

وفات

آپ کا وصال ۱۲۶۷ھ کو ہوگیا۔

Marfat.com

اقوال و ارشادات

۱۔ نیکوں کے گھر بدوں اور بدوں کے گھر نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ ایک سالک ہمیشہ رحمت پروردگار کا امیدوار رہتا ہے۔

۳۔ بندے کو اپنے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہئے۔

۴۔ درویشوں کی عظمت کے مقابلے میں کوئی بہتر نہیں۔

۵۔ زیادہ بولنے سے سالک کا دل تاریک ہو جاتا ہے۔

۶۔ مرشد کو کبھی بھی ظاہری آنکھ سے نہ دیکھا جاتے۔

Marfat.com

حضرت سچل سرمست رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۱۵۲ھ

وفات: ۱۲۴۲ھ

عمر عزیز: ۹۰ سال

ابتدائی حالات

حضرت سچل سرمست ۱۱۵۲ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام میاں صلاح الدین تھا اور آپ کے دادا کا نام حضرت میاں صاحب ڈینہ تھا کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام سب سے پہلے عبدالوہاب رکھا گیا اور یہی نام آگے چل کر سندھی زبان میں سچو یا سچے ڈینہ بن گیا۔ پنجابی اور اُردو میں سچن ہوگیا۔ چھ سال کی عمر میں آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا اور آپ کی پرورش آپ کے چچا خواجہ عبدالحق صاحب نے کی۔

مشہور صوفی بزرگ اور شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی نے حضرت سچل سرمست کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی۔ کہ جس جسم کو ہم نے تیار کیا ہے اس کا ڈھکنا یہ صاحب زادہ اتارے گا۔ اہل سندھ کا آج بھی اعتقاد ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

شجرہ نسب

حضرت سچل سرمست کا شجرہ نسب مختلف واسطوں سے حضرت عمر ابن خطابؓ سے جاملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے شیخ شہاب

Marfat.com

الدین بن عبد العزیز حجاز سے مہاجر ہو کر عراق میں آباد ہو گئے۔ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے جب اپنے نوجوان داماد محمد بن قاسم کو سندھ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو یہ جلیل القدر شخصیت یعنی شیخ شہاب الدین فاروقی بھی محمد بن قاسمؒ کے ہمراہ مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے ساتھ تھے۔ شہاب الدین فاروقی اپنے عہد کے مدبر اور سیاست دان تھے۔ مسلمانوں نے جب سندھ پر پہلا حملہ کیا اور اسلامی لشکر کے سپہ سالار بدیل کو شکست ہوئی تو شہاب الدین فاروقی نے ہی حجاز بن یوسف کو یہ مشورہ دیا کہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے بڑے بڑے علماء اور مبلغین کو روانہ کیا جائے۔ آپکی اس تجویز کو حجاز نے پسند کیا اور بعد میں یہی تجویز سندھ کی کامیابی کا سبب بنی۔ سندھ کی فتح کے بعد شیخ شہاب الدین نے محمد بن قاسم کے ملکی وفوجی امور اور لوگوں کی آسودگی اور خوشحالی کے متعلق بڑے مفید اور کارآمد مشورے دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سندھ کے غیر مسلم قبائل جوق در جوق اسلامی برادری میں شامل ہو گئے اور اسلام کی بنیادیں سندھ کے اندر مستحکم ہو گئیں۔ شیخ شہاب الدین کے بعد اُن کے فرزند شیخ محمد فاروق اُن کے جانشین اور سیوستان کے حاکم مقرر ہوئے اُن کے انتقال کے بعد شیخ اسحاق فاروقی نے حکومت سنبھالی اور اُن کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں شیخ محمد فاروقی نے فرمانروائی کا منصب سنبھالا۔

یہ اُس دور کی بات ہے جب سلطان محمود نے سندھ فتح کیا۔ شیخ محمد فاروقی کے بعد مخدوم نور الدین نے تخت و تاج سنبھالا۔ ان کے بعد ان کے چار بیٹے ابو سعید، بدر الدین، رکن الدین اور ضیاء الدین حکمران ہوئے۔ ان چاروں کی اولادوں میں سے مخدوم حجاز ہوئے جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس طرح یہ فاروقی خاندان سیون شہر میں آباد ہو گیا اور اسی خاندان میں سچل سرمست جیسی عظیم ہستی نے جنم لیا۔ فاروقی خاندان کے بزرگوں نے چشمہ فیض سے ہزاروں

Marfat.com

کے حساب سے لوگ آب روحانیت کا جام نوش پیتے اورالله تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے۔

عشق مجاز

حضرت سچل سرمست اولیاء اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن ور بھی تھے۔ شاعری آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت۔ بلند فکری اور ندرتِ بیان ہرطرح سے قابل داد ہے آپ نے شاعری کی زبان میں علم تصوف کے جورموز واسرار بیان کیے ہیں۔ان کی بنا پرآپ کو حافظ سندھ کہا جاتا تھا۔

آپ منصور وعطار کی طرح شطحیات بھی کہہ جایا کرتے تھے۔ایک جگہ آپ نے فرمایا ہے!

”آتے ہیں بے خودی میں ہم لوگ گاہے گاہے“

اس کے علاوہ آپ نے عشق مجاز میں ایسے سوز گداز کے ساتھ کافیاں کہیں ہیں جن کوسنکر کوئی بھی صاحب ذوق شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔آپ ایک رفیق القلب اوردردمند انسان تھے۔آپ خودفرماتے ہیں کہ:

دلم پر غم پریشان اشتیسا نش
زدر دم شیر دادہ دایۂ ما !

جناب عثمان علی انصاری صاحب مرحوم نے تحریر کیا ہے کہ سچل سرمست سندھ کی ادبی دنیا میں ایک ایسا روشن ستارہ ہے جسے زاہدوں کا ایک گروہ خراج تحسین دینے میں بخل سے کام لیتا رہا ہے۔ کیونکہ اس طرح اُن کے عقائد کوٹھیس لگتی ہے۔ انصاری صاحب حضرت سچل سرمست کے کلام میں تصوف کی اتنی خوبیاں بیان کرتے ہیں اورلکھتے ہیں کہ ان خوبیوں کی بدولت نہ صرف مسلمان متاثر ہوئے ہیں بلکہ ہندوؤں کے دل پر بھی آپ کے کلام کا اثر ہوتا ہے اورلوگ آپ کے کلام سے نہ

Marfat.com

صرف لذاتِ لسانی بلکہ تاثراتِ روحانی بھی حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے کلام میں زیادہ تر مدہوشی کی باتیں کی ہیں۔ وہ ہوش میں رہ کر بے ہوشی کے نغمے گاتے تھے۔ وہ اپنے اعجاز کلام کے ساتھ سننے والوں کو یہ بھی یاد دلاتے ہیں کہ مسلم اور غیر مسلم اور امیر و غریب کا فرق یا اس قسم کی دوسری باتیں عالم انسانیت میں ادہام کی کارفرمائی کے نتائج ہیں ورنہ ظاہر و باطن کی ہر حالت میں واحد حقیقت ہے۔

روح پرور واقعات

ہندو عامل دیوان چند حیدر آباد میر صاحبان کے ہاں ملازم تھا۔ اُس نے کسی وجہ سے یہ ملازمت چھوڑ کر خیر پور کے والی میر سہراب خان کی ملازمت اختیار کر لی اور مختارِ کار مقرر ہوا۔ چند دنوں کے بعد اس نے سرکاری کام میں دانستہ طور پر خرد برد کی اور اسی الزام میں گرفتار ہوا۔ اس حیدر آبادی دیوان کے رشتہ دار صوفی فقیر میاں فضل اللہ جھوک شریف والے کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفارش کے لیے منت سماجت کی۔ صوفی فقیر نے اُنہیں ایک خط خواجہ عبدالحق کے نام لکھ کر دیا اور اس میں لکھا۔

"ہمارا ایک آدمی تمہارے ظالموں نے قابو کر رکھا ہے اُسکو فوراً آزاد کراؤ۔"

حضرت خواجہ عبدالحق نے خط پڑھ کر اپنی دستار مبارک سے قادری ٹوپی نکال کر حضرت سچل سرمست کے سر پر رکھی اور فرمایا۔ "جاؤ اور میران خیر پور سے حیدر آبادی عامل کو آزاد کراؤ۔"

جب ارشاد حضرت سچل سرمست میر سہراب خان اور اُس کے صاحبزادوں کے دربار میں آ کر حاضر ہوئے اور وہاں بندوقیں دیکھ کر آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟

آپ کو وہاں پر موجود درباریوں نے بتایا کہ ان سے شیروں کا شکار کیا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ "شیروں کا شکار کرنا اتنا آسان نہیں۔"

Marfat.com

حاضرین نے آپ سے بحث شروع کردی اس بندوق کی ایک گولی سے شیر کے جسم کے چیتھڑے اُڑ سکتے ہیں۔ یہ بحث و مباحثہ سن کر حضرت سچل سرمست کی طبع میں ایک عجیب قسم کا جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ آپ کے چہرے پر جلال آ گیا۔ اس جلال کی آمد تھی کہ اہل دربار کو یوں محسوس ہوا جیسے سچ مچ کا شیر اُن کے درمیان آ کھڑا ہوا ہے۔ سب کے سب ڈر کے مارے کانپنے لگے اور حضرت سچل سرمست سے معافی مانگی۔ آپ نے حکم دیا کہ میرے مرشد نے ہندو عامل دیوان کی رہائی کی خواہش کی ہے۔ اس لیے آپ لوگ اُسے فوراً آزاد کر دیں۔ آپ کے کہنے کی دیر تھی کہ دیوان کو قید سے آزاد کر دیا گیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ریاست خیر پور کے والی میر صاحب شکار سے واپس آ رہے تھے۔ اُن کے ہمراہ امراء وزراء کا ایک لشکر تھا جس وقت حضرت سچل سرمست ایک کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے پورے جسم میں ملتانی مٹی لگائی ہوئی تھی۔ اور آپ کا ارادہ نہانے کا تھا۔ اسی وقت میر صاحب کا قافلہ کنویں کے قریب سے گزرا۔ میر صاحب حضرت سچل سرمست کی قدم بوسی کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر انہیں ملتانی مٹی میں لتھڑے ہوئے دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے اور دور کھڑے ہو کر حضرت کی خیر یت دریافت کرنے لگے۔ اسی اثناء میں میر صاحب کے چھوٹے بھائی جو قافلے کے آخیر پر تھے فوراً بڑھے اور حضرت کے قدموں پر گر پڑے حضرت سچل سرمست نے چھوٹے میر صاحب جن کا نام غالباً میر علی مراد خان تھا کو اُٹھا کر اپنے گلے لگایا اور اُن کی آنکھوں کو چوم لیا۔ اُن کو بہت زیادہ دعائیں دیں پھر بڑے میر صاحب سے مخاطب ہوئے۔

”تم جس کو ملتانی مٹی سمجھ کر میرے سے دور رہے۔ وہ ملتانی مٹی نہ تھی بلکہ جاہ و اقبال کی مہندی کا رنگ تھا جو چھوٹے میر صاحب میر علی مراد خان کو لگ گیا ہے۔“

Marfat.com

حضرت سچل سرمست کی یہ دعا ۱۸۴۳ء میں قبول ہوئی جب انگریزوں نے میران سندھ سے حکومت چھین کر برطانوی حکومت کا پرچم لہرایا تو اس وقت سندھ میں خیر پور ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں میر علی مراد خان کی ریاست قائم کی گئی۔

حضرت سچل سرمست اپنے دادا میاں صاحب ڈینہ کے متعلق ایک واقعہ اپنی فارسی تصنیف میں بیان کرتے ہیں کہ کلہوڑہ خاندان کی سندھ پر حکومت تھی۔ اسی حکومت کی طرف سے میرے دادا میاں صاحب ڈینہ ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ ایک روز میرے دادا کسی کام کی غرض سے کوٹری کبیرہ ضلع نواب شاہ سے ڈیوانوں کے گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں جنگل کے درمیان ان کو ایک مجذوب عورت بیٹھی ہوئی نظر آئی...... اس عورت کا نام بی بی بصری تھا۔ اُس نے میاں صاحب ڈینہ کو آواز دی اور فرمایا۔

''اے صاحبِ ڈینہ خدا تم سے بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو۔ جلدی واپس لوٹ جاؤ۔''

بی بی بصری کی اس بات کے بعد میاں صاحب ڈینہ طریقۂ قادری میں شامل ہوئے اور حضرت خواجہ عبداللہ جیلانیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت خواجہ عبد اللہ حضرت سید عبد القادر جیلانی بغدادی قدس سرہٗ العزیز کے پوتے تھے اور یہ فیض آگے چل کر میرے اندر بھی منتقل ہوا اور میں روحانیت کی بلندیوں پر پہنچایا گیا۔

وحدت پاک کے چند اشعار

وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دکھا دیے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیے
ہوں کشتہ تغافل ہستی بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اُس نے بھلا دیے

Marfat.com

چاہے وفا کرو نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اُٹھا دیے

روحانی توجیہہ

حضرت سچل سرمست فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر خدا کا نور ہے اور اسے خدا ہی چلا رہا ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب اس قول کی کچھ یوں تشریح فرماتے ہیں:

دیکھنے کی ایک طرز یہ ہے کہ اس میں نور شامل ہو جاتا ہے اور آدمی کی آنکھ پر نور کا لینز فٹ ہو جاتا ہے۔ ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب عینک میں سرخ شیشہ لگاتے ہیں تو ہمیں ہر چیز سرخ نظر آتی ہے۔ عینک کا شیشہ نیلا ہو تو ہر چیز نیلی، ہرا ہو تو ہر چیز ہری نظر آتی ہے۔ لیکن اگر شیشہ بے رنگ، سفید اور شفاف ہو تو اس طرح نظر آتا ہے جس طرح بغیر عینک کے نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آنکھ وہی کچھ دیکھتی ہے جو اسے دکھایا جائے۔ بالالفاظ دیگر آنکھ پر جس قسم کا لینز لگا دیا جائے اسی مناسبت سے رنگین، صاف دور یا قریب دکھائی دیتا ہے۔

عام حالات میں آنکھ جس طرح دیکھتی ہے وہ اپنے اور دوسری چیز کے درمیان ایک خلا رکھ کر دیکھتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ مومن کی آنکھ پر اللہ کے نور کا لینز فٹ ہو جاتا ہے۔ یعنی مومن کی نظر کو اللہ کی نظر حاصل ہو جاتی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا ہے:

"اللہ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر اللہ اس آنکھ کا ادراک بن جاتا ہے۔"

ایک جگہ یوں بھی ارشاد ہوا ہے:

Marfat.com

''تم ہماری سماعت سے سنتے ہو، ہماری بصارت سے دیکھتے ہو اور ہمارے دماغ سے سوچتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔ یعنی اللہ ایک دائرہ ہے اور ہر چیز اس میں بند ہے۔

جب کوئی سالک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس قابل ہو جاتا ہے کہ اللہ کا یہ ارشاد کہ میں تمہاری رگ جاں سے قریب ہوں، اس کے مشاہدہ میں آجاتا ہے تو اس کو وہ نظر حاصل ہو جاتی ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد کیا گیا ہے۔ ''اے رسولؐ! آپؐ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔'' قرآن پاک کی آیات میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ انسان نا قابل تذکرہ شے تھا۔ پھر ہم نے اس کے اندر اپنی روح ڈال دی یہ بولتا، سنتا، سوچتا، محسوس کرتا اور حرکت کرتا ہوا بن گیا...... بات سیدھی اور صاف ہے کہ انسان گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کے اعتبار سے نا قابل تذکرہ تھا اور ہے۔ اس کے اندر اللہ کی روح، اس کی تمام صلاحیتوں اور زندگی میں تمام اعمال و حرکات کی بنیاد ہے۔ ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو قائم رہتا ہے لیکن حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی حرکت تابع ہے روح کے۔ کہنا یہ ہے کہ روح ہی زندگی ہے اور زندگی کے تمام اعمال اور حرکات کا دارومدار ہی روح پر ہے۔

روح کی ہر حرکت میں مقداریں کام کرتی ہیں اور یہ معین مقداریں استعمال کرتے روح مختلف حیثیتوں اور مختلف رنگوں و روپ میں اپنا تعارف پیش کرتی ہے۔ روح جب ان معین مقداروں کے تانے بانے کے ساتھ وہ لباس تیار کرتی ہے جس کو ہم درخت کہتے ہیں تو روح ہمیں درخت کی شکل میں نظر آتی ہے اور روح جب وہ مقداریں

Marfat.com

پیش کرتی ہیں جو بکری میں کام کرتی ہیں تو ہمیں بکری نظر آتی ہے۔علیٰ ہذا القیاس جتنی نوعیں اور نوعوں کے اندر مختلف شکل وصورت ہم دیکھتے ہیں یا ایسی نوعیں جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں وہ روح کی ہر آن اور ہر لمحہ بدلتی ہوئی تصویریں ہیں۔ روح ملاء اعلیٰ کے لباس میں خود کو پیش کرتی ہے۔تو ملاء اعلیٰ سے ملاء اعلیٰ میں جبرئیلؑ ،میکائیلؑ ، اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ شامل ہیں۔ جب روح حاملان ملائکہ سماوی یا ملائکہ ارضی کے لباس میں خود کو پیش کرتی ہے تو اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔

وفات

حضرت سچل سرمست عمر بھر کبھی بیمار نہ ہوئے تھے۔عمر کے آخری دور میں آپ کوخونی پیچش کا شکار ہوگئے۔ اس بیماری کی طوالت سے ۱۴ رمضان المبارک ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی۔

اقوال وارشادات

۱۔ انسان کے اندر خدا کا نور ہے اور اُسے خدا ہی جلا دے رہا ہے۔

۲۔ انسان کا وجود گلاب کا پھول ہے اور وہ خود ہی خوشبو ہے۔

۳۔ انسان کی ذات احد کا ایک منظر ہے۔

Marfat.com

حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۰۱ھ

وفات: حتمی رائے نہیں ملتی

ابتدائی حالات

حضرت سید احمد بریلوی اودھ کے ایک قصبے رائے بریلی میں یکم محرم ۱۲۰۱ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے پیدائش کے موقعہ پر گاؤں والوں نے ایک مجذوب کے حکم سے شکرانہ کے نفل ادا کیئے۔ آپ کے والد کا نام سید عرفان تھا۔ چار سال کی عمر میں آپ کو مدرسہ بھیج دیا گیا۔ بچپن سے حضرت سید احمد شہید اپنے ساتھیوں کے ساتھ نعرے بازی اور فرضی دشمنوں پر حملے کیا کرتے تھے۔

زیادہ وقت جنگل میں گذارتے

بچپن میں سید احمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ نعرے لگاتے ہوئے فرضی دشمنوں پر حملے کیا کرتے تھے۔ پھر آپ کا دل تمام کھیلوں سے اُچاٹ ہوگیا۔ آپ ایک روز ایک ندی کے کنارے بیٹھے اُس میں کنکر پھینک رہے تھے آپ نے محسوس کیا کہ ایک خوب صورت شخص خوب صورت لباس میں ملبوس ایک گھوڑے پر سوار ہاتھ میں تلوار پکڑے آپ کی طرف آیا۔ اس کے ساتھ گھوڑے کا بچہ بھی تھا۔ سید احمد کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش یہ گھوڑے کا بچہ مجھے مل جائے۔ اس گھڑ سوار نے آپ کو دیکھا اور کہا ''اے لڑکے! اگر تمہیں یہ گھوڑے کا بچہ اتنا ہی پسند ہے تو اس کو مجھ سے مانگ کیوں نہیں لیتے۔ مگر اچانک سید احمد کی خواہش بدل گئی۔ آپ نے اس شخص سے کہا ''میں ہر چیز

Marfat.com

خدا سے مانگتا ہوں اور مجھے آپ کا گھوڑا نہیں چاہئے۔ میں نے گھوڑا لینا بھی ہو تو خدا سے مانگوں گا۔ وہ شخص بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا ''اچھا بچے اب جب تک کسی منزل پر پہنچ جاؤ گے تو میں گھوڑا لے کر تمہارے پاس خود پہنچ جاؤں گا۔'' آپ نے یہ واقعہ اپنے گھر والوں کو بتلایا آپ کے والد نے آپ سے کہا ''بیٹے! جس کے پاس منزل نہیں ہے وہ گھوڑا لیکر کیا کرے گا۔'' اس واقعہ کے بعد آپ اپنا زیادہ تر وقت جنگل میں گذارتے۔ کئی دفعہ تو تین تین چار چار دن گھر سے باہر رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شیر آپ پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے ڈر کر پکارا۔ ''یا اللہ شیر'' اُسی وقت شیر خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس روز کے بعد آپ نے سوچا جو ذات ایک صدا پر درندوں کو راستہ بدلنے پر مجبور کر سکتی ہے اس کا مسلسل ذکر آدمی کو تبدیل نہیں کر سکتا؟ اس کے بعد اسم ذات کا ذکر کرنے لگے۔ ذکر کے دوران آپ اپنے اردگرد نور کا ایک ہالہ سا محسوس کرتے تھے۔ ذکر کرتے کرتے آپ کی حالت یہ ہوگئی کہ آپ کو درخت۔ پہاڑ ہر چیز میں اللہ اللہ کی آواز آتی تھی آپ نے بہت سا وقت تنہائی میں گذارا۔ ایک روز آپ کے والدین آپ کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈتے جنگل میں آگئے انہوں نے دیکھا کہ آپ بے سدھ پڑے ہیں اور آپ کے منہ سے اللہ اللہ کی صدائیں آ رہی ہیں۔ آپ کے والد نے آپ کو سمجھایا ''درویشی بحر حال اچھی چیز ہے۔ مگر رہبانیت کا ہمارے ہاں کوئی مقام نہیں۔'' اس دن کے بعد آپ نے تنہا رہنا ترک کر دیا۔ آپ صبح شام بیواؤں، یتیموں کے گھروں میں جاتے۔ ان کے کام کرتے۔ مگر لوگ آپ سے کام نہ کرواتے اور کہتے آپ سید ہیں آپ کے کام کرنا تو ہمارا فرض ہے آپ دن بھر لوگوں کی خدمت کرتے اور رات جنگل میں ذکر الٰہی کرتے گذار دیتے تھے۔

روح پرور واقعات

سید احمد اپنے مریدوں کی محفل میں تشریف فرما تھے۔ قرآن و سنت اور ذکر

Marfat.com

الٰہی کے موضوع پر باتیں ہو رہی تھیں مرید ہمہ تن گوش اپنے مرشد کی روح پرور گفتگو سن رہے تھے اور ہر لفظ۔ ہر جملے کو آویزہ گوش بنا کر اپنے ذہن وقلب میں اُتار رہے تھے۔ پرسکون محفل یک لخت متلاطم ہوگئی۔ سید احمد نے جلالیت میں آکر مریدوں سے کہا "ساتھیو! ایک شخص خنجر ہاتھ میں لے کر میرے قتل کے ارادے سے آرہا ہے۔ اس کو روکنا مت۔ آج میں نے یہ دیکھنا ہے کہ مارنے والا تگڑا ہے یا بچانے والا قادر و قوی ہے۔" ابھی یہ الفاظ سید احمد کے لبوں پر ہی تھے کہ ایک نوجوان اپنے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر لے کر آیا۔ مگر سید احمد کو دیکھتے ہی اس کی حالت غیر ہوگئی۔ اسکی زبان پر لکنت اور جسم پر رعشہ طاری تھا۔ چہرہ عرق آلودہ تھا۔ سید احمد نے پوچھا "میاں! تم جس ارادے سے آئے ہو اس کو پورا کرو۔ اگر اپنا مقصد پورا نہیں کرسکتے تو اپنا مسئلہ بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے اور کیا چاہتے ہو؟" نوجوان نے اپنا خنجر سید صاحب کے قدموں میں رکھ دیا اور کہنے لگا آپ کو قتل کرنے کے لیے میں آیا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ خود قتل ہوگیا ہوں۔" سید صاحب نے پوچھا "بھئی آخر کونسی چیز نے تمہیں میرے قتل پر مجبور کیا۔" نوجوان نے لڑکھڑاتی زبان سے عرض کیا "حضرت! ہمارے ہاں بیوہ کی دوسری شادی باعث شرم سمجھی جاتی ہے اور ہمارے آباؤ اجداد سے لیکر اب تک کبھی کسی نے بیوہ عورت کی دوسری شادی کا تصور بھی نہیں کیا مگر آپ نے اس مسئلہ پر ہماری مخالفت کی ہے۔ جس سے ہمارے خیالات مجروح ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو قتل کردیا جائے۔ مجھے اس کام پر مامور کیا گیا مگر آپ کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ درست فرماتے ہیں کیونکہ آپ کے چہرے پر ایک مجددانہ شان ہے۔"

سید احمد نے نوجوان سے کہا "پہلے میری بات سنو پھر مجھ سے معذرت کرنا اور میرے عقیدت مند بننا۔ آپ فرمانے لگے۔ تم لوگوں میں بیوہ کا نکاح بے حیائی

Marfat.com

سمجھا جاتا تھا۔ میں نے اس کی مخالفت کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو عورتیں عین نوجوانی کے عالم میں بیوہ ہو جاتی تھیں یا تو وہ ساری زندگی طعنے سنتی تھی اور اپنی زندگی کو اجیرن بنا لیتی تھیں یا پھر وہ بے حیائی پر کمر بندھ لیتی تھیں یہ دونوں عمل بڑے معیوب اور ناپسندیدہ تھے۔ میری جدوجہد سے کئی عورتوں کی دوسری شادیاں ہوگئیں اور ان کی زندگی پرسکون ہوگئی۔ ایک رات خواب میں مجھے حکم دیا گیا کہ اوروں کو نصیحت کرتے ہو اور خود میاں فصیحت بنے بیٹھے ہو۔ تمہارے گھر تمہاری بیوہ بھابی موجود ہے تم اس کے ساتھ دوسرا نکاح کیوں نہیں کرتے۔ ایسا کرلو گے تو تمہاری تبلیغ پر تاثیر ہوگی۔ میں بیدار ہو کر سخت متفکر ہوا کیونکہ میں ایک نہایت حسین وجمیل بیوی کا خاوند تھا۔ اس کے علاوہ میری بھاوج دوسرا نکاح کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھی۔ اب میں سوچنے لگا۔ بھاوج کو نکاح کرنے کے لیے آمادہ اور بیوی کو سوکن برداشت کرنے کے لیے تیار کیسے کروں۔ بہر حال حکم خداوندی پورا کرنا بڑا ضروری تھا بمشکل تمام بیوی اور بھاوج کو خدا کا حکم ماننے پر راضی کیا اور یوں اپنی تبلیغ پر میں نے خود بھی عمل کیا۔ اس کے بعد مولوی اسماعیل کی بیوہ بہن کا نکاح مولوی عبد الحی سے کر کے ہم نے ہزاروں بیواؤں سے یہ ظالمانہ پابندی ختم کردی کہ ہر بیوہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔''

وہ نوجوان آپ کی بصیرت افروز باتیں سنکر دم بخود ہوگیا۔ زاروقطار رونے لگا۔ آپ کی بات اس کی زبان پر تھی حضرت مجھے معاف کر دیجئے اور اپنا مرید بنالیجئے۔ سید احمد نے اس کی نیک نیتی کو دیکھ کر اُسکو اپنے دامنِ شفقت میں لے لیا۔

دہلی میں رمضان نامی ایک شخص زنانہ لباس پہنتا تھا اور عورتوں والے کام کرتا تھا۔ اس کی آواز اور حرکتیں بھی خواجہ سراؤں جیسی تھیں۔ ایک روز وہ مسجد میں آیا تو آپ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ آپ نے اس کو پاس بلایا اور پوچھا ''تم یہاں کس لیے آئے ہو'' وہ بولا ''آپ کی زیارت کے ارادے سے آیا ہوں۔ آپ نے کہا ''اگر

Marfat.com

میرے پاس آئے ہو تو تمہیں میری بات بھی ماننا ہوگی۔ تمہیں عورتوں اور خواجہ سراؤں جیسے سارے طور اطوار چھوڑنے ہوں گے۔'' اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے سارے معمولات ترک کر کے اہل اللہ میں داخل ہوگیا۔ لوگ حیران ہوگئے کہ دہلی کے گلی بازاروں میں خرافات بکنے والا شخص ایک دم دیندار کیسے بن گیا۔ سید احمد نے اس کا نام ہدایت اللہ رکھا۔ وہ واقعی ہدایت اللہ بن گیا۔

ایک مرتبہ آپ نے جنگل میں کسی سبز عمامے والے بزرگ کو ایک درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا آپ فوراً ان کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہوگئے۔ آپ نے اُن کو بہت تلاش کیا مگر بے سود۔ آخر وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ لکھنؤ روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ نے سواری اپنے دوستوں کو دے دی اور خود پیدل سفر کیا۔ بلکہ اپنے ساتھیوں کا سامان بھی آپ خود اُٹھاتے رہے۔ ایک منزل پر پہنچ کر آپ اور آپ کے ساتھیوں کے پاس زادِراہ ختم ہوگیا۔ سب لوگ مزدوری کرنے لگا۔ مگر آپ کو ایک شخص جو آپ کے گھرانے کی عظمت سے واقف تھا۔ آپ کی خدمت میں صبح شام کھانا بھیجنے لگا۔ آپ ایک آدھ لقمہ کھا کر باقی کھانا اپنے ساتھیوں کو دیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ کو پھر وہی سبز عمامے والی شخصیت نظر آئی۔ آپ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے۔ اس مرتبہ سبز عمامہ پوش بزرگ نے آپ کو اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ آپ چلتے گئے۔ ایک جگہ سپاہیوں کی بھرتی ہو رہی ہے سید احمد کو وہ بزرگ بھرتی کروا کر خود غائب ہوگئے۔ سید احمد مشیت ایزدی سمجھ کر فوج میں بھرتی ہوگئے۔ فوج نے محمدی جنگل کا سفر اختیار کیا اسی سفر میں وہ سبز عمامہ والے بزرگ تیسری بار آپکو نظر آئے۔ آپ نے ان کا دامن تھام لیا اور عرض کیا ''حضرت! مجھے میری منزل کا راستہ دکھائیے۔'' ان بزرگ نے آپ کو ایک پگڈنڈی پر جانے کا راستہ دکھایا۔ یہ راستہ دلی کی طرف جاتا تھا۔ سید احمد خاموشی سے دلی کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ کے فوجی

Marfat.com

ساتھی آپ کو لشکر میں نہ پا کر گھبرا گئے۔ بہت تلاش کیا۔ آخر یہ سمجھ لیا گیا کہ کوئی درندہ آپ کو کھا گیا ہوگا۔ انہوں نے سید احمد کی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھ لی۔ ابھی سید احمد دہلی کے سفر میں ہی تھے کہ آپ کا زادِراہ ختم ہوگیا۔ صرف تھوڑے ستو اور گڑ رہ گیا تھا۔ آپ متواتر فاقے سے تھے۔ آپ نے گھوٹا اور ستو بنانے لگے۔ ابھی بنا بھی نہ پائے تھے کہ ایک فقیر نے صدا لگائی۔ ''بابا! چار روز سے بھوکا ہوں۔'' سید احمد نے خندہ روئی سے اپنے ستو اس کو دے دیے۔ پھر آپ روانہ ہوگئے۔ اب آپ کی حالت یہ ہوگئی کہ بھوک کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوکر گر گئے۔ مسلسل چلنے سے آپ کے پاؤں سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا۔ آپ کو بے ہوش پڑا دیکھ کر ایک شخص نے آپ کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور آپ کی خوب اچھی طرح تیمارداری کی۔ اور جاتے وقت آپ کی مالی امداد بھی کی۔ آپ نے بڑی مشکل سے مدد قبول کی اور دہلی روانہ ہوگئے۔ جب دہلی پہنچے اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ آپ مسجد میں داخل ہو گئے۔ وہاں آپ نے دیکھا وہی سبز عمامہ پوش بزرگ نماز کی امامت کروا رہے ہیں۔ سید احمد نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر ان کے قدموں سے لپٹ گئے اور روتے ہوئے کہنے لگے۔ ''حضرت! پتہ بتانا ہی تھا تو اس راز داری کی کیا ضرورت تھی۔'' اُن بزرگ نے آپ کو سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا۔ ''سید احمد! تم نے اس صدی کے تمام اسرار کا امین ہونا ہے۔ تم تو پہلی منزل پر ہی گھبرا گئے۔ یہ بزرگ قطب وقت شاہ عبد العزیز تھے۔ شاہ صاحب نے سید احمد کو اپنے بھائی مولانا عبد القادر کی تحویل میں دیتے ہوئے ان سے کہا ''سید احمد کو قرآن و حدیث اور نحو کی تعلیم دی جائے۔ سید احمد دن کو مولانا عبد القادر سے تعلیم حاصل کرتے اور رات کو عبادت و ریاضت کرتے تھے۔ سید احمد جتنا زیادہ پڑھنے کی کوشش کرتے اتنے ہی ناکام ہوتے۔ یہ بات مولانا عبد القادر نے اپنے برادر کلاں شاہ عبد العزیز کو بتلائی اُنہوں نے سکوت فرمایا اور غور و خوض کرنے

Marfat.com

کے بعد سید احمد سے کہا "تم کتابوں کو چھوڑو، کتابوں کے بغیر علم سے نوازے جاؤ گے۔"

ہندوستان میں مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی جس کے نتیجے میں سخت قحط پڑ گیا۔ ایک روپے میں مشکل سے پانچ سیر اناج ملتا۔ لوگ اپنی اولادیں بیچ کر اناج حاصل کرتے۔ اس قحط کی حالت میں بھی سید احمد کے دسترخوان پر روزانہ سو سے زیادہ آدمی کھانا تناول کرتے تھے۔

ایک مرتبہ چند لوگ ایک نوجوان کو جس پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہوا تھا چارپائی کے ساتھ جکڑا ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کی "حضرت! یہ لڑکا پاگل ہو گیا ہے۔" آپ نے فرمایا "یہ پاگل پیاسا ہے۔" یہ کہہ کر آپ نے خادم سے پانی منگوایا اور لڑکے کو دیا۔ وہ پانی پیتے ہی نہایت پرسکون ہو گیا۔

سید احمد نے شاہ عبد العزیز سے شب قدر کے متعلق پوچھا۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ شب بیداری آپ کرتے ہیں اور شب قدر کا ہم سے پوچھتے ہیں۔ آپ خود اس کو تلاش کریں۔ اس کے بعد چاند رات تک سید احمد ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سوئے حتیٰ کہ آنکھ بھی نہ جھپکی۔ ستائیسویں کی رات کو بعد از نماز عشاء آپ کی آنکھیں بے اختیار بند ہو گئیں اور آپ سو گئے۔ آپ نے دیکھا دو آدمی آئے ہیں اور آپ کو اُٹھا کر ایک عجیب پرفضا مقام پر لے گئے ہیں۔ جہاں حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ بیٹھے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے کہا کہ سید احمد جلدی جلدی غسل کر کے آؤ حضوری کا وقت ہے۔ آپ نے برف جیسے یخ پانی سے غسل کیا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا "سید احمد تمہیں شب قدر کی آرزو تھی ہم تمہیں شب قدر سے سرفراز فرماتے ہیں۔" اسی اثنا میں آپ کی آنکھ کھل گئی آپ نے اپنے آپ کو سجدہ ریز پایا۔ آپ کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ آپ فوراً اپنے مرشد کی خدمت میں

Marfat.com

حاضر ہوئے۔ آپ کو دیکھتے ہی شاہ عبدالعزیز مسکرا پڑے اور فرمایا "سید احمد شب قدر کے اسرار مبارک ہوں۔"

روحانی توجیہہ:

حضرت سید احمد شہید بریلوی فرماتے ہیں کہ ہمیشہ انسانوں کی بھلائی اور خدمت کو شعار بنائیں میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے کہ صاحب خدمت کس طرح بندہ ہوتا ہے۔

اُن کے اس قول کی روحانی توجیہہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

یہ بات اس لیے ذہن میں آتی ہے کہ ہم زندگی کو شعوری پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ مثلاً ہر آدمی کے ذہن میں یہ بات ہے کہ میں پیدا ہوا اور میری پیدائش کا ذریعہ والدین بنے۔ علی ہذالقیاس ہر مخلوق کے بارے میں اس کا شعوری مشاہدہ یہی ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان شعوری حواس یعنی شک و شبہ اور بے یقینی کی دنیا سے آزاد ہو کر یقین کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں اس کے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ وہ اور تمام مخلوقات کو ایک ہستی نے بنایا ہے تو یہ بات اس کے ذہن سے حذف ہو جاتی ہے۔ یعنی اس لایعنی بات کا خانہ ہی ختم ہوجاتا ہے اور جب اس بات سے کہ خدا کو کس نے بنایا ہے، ذہن آزاد ہو جاتا ہے تو اس کی طرز فکر یہ بن جاتی ہے کہ وہ ہر بات اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اور اللہ ہی کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے: وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔

"وہ لوگ جو راسخ فی العلم ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمارا ایمان ہے اور اس بات پر یقین ہے کہ ہر چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے۔"

جتنے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان ... سب کی طرز فکر یہی رہی کہ

Marfat.com

ہمارا بشمول کائنات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک رشتہ براہ راست قائم ہے اور یہ رشتہ ہی کائنات کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہے۔ پیغمبروں کی تعلیمات بھی یہی رہیں کہ بندے کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ بندہ ذات باری تعالیٰ کے رشتہ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ، جس طرح اور جب کرنا چاہتے ہیں وہی انسان کا عمل بنتا ہے۔ پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرز فکر میں ایک طرز فکر شامل کی اور وہ یہ کہ انہوں نے اچھائی اور برائی کا تصور اس لیے ظاہر فرمایا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ یہی چاہتے ہیں۔ اگر اچھائی اور برائی کا تصور نہ ہوتا تو اختیارات، نیکی اور بدی ناقابل تذکرہ ہو جاتے۔ اس بات سے کوئی آدمی انکار کی مجال نہیں رکھتا کہ شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ کہنا یہ ہے کہ شیطان اور شر کو ہم اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے جدا نہیں کرسکتے۔ لیکن شیطان زندگی کا ایک ایسا رخ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ ہے اور شیطنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اللہ تعالیٰ کے لیے پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن جو لوگ تخلیق کے اس رخ سے واقف ہیں اور جن کا ایمان، یقین اور مشاہدہ یہ ہو جاتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ یہ بات بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل کیا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کو اپنی زندگی بنالیتے ہیں تو ان کے اندر سے شر نکل جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر شیطان ان پر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا۔ حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے سوال کیا آپ نے شادی نہیں کی کیا آپ کو شیطان سے ڈر نہیں لگتا؟ حضرت صاحبہؒ نے فرمایا۔ ''مجھے رحمان سے ہی فرصت نہیں۔'' جب رحمان سے ہی فرصت نہیں تو شیطان کا خیال ہی نہیں آتا۔ اسی بات کو خواجہ غریب نوازؒ نے یوں فرمایا ہے۔ ''یار دم بہ دم و بار بار می آید۔'' حضور غریب نوازؒ فرماتے ہیں۔ ''میری ہر سانس میں اللہ بسا ہوا ہے اور میرا ہر سانس اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔'' ظاہر ہے کہ جب ہر سانس کی وابستگی براہ راست

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو تو وہاں شیطان کا عمل دخل نہیں ہوسکتا۔ بات مشکل ہے لیکن واقعتاً ایسا ہوتا ہے کہ ایسے برگزیدہ اور پاک نفس بندے موجود ہوتے ہیں جن کے ذہن سے شر کا خانہ نکل جاتا ہے۔ اور جب شر کا خانہ نکل جاتا ہے تو خیر کا خانہ بھی حذف ہوجاتا ہے۔ شر اور خیر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے روشنی اور تاریکی، گرم و سرد، تلخ و شیریں، راحت اور تکلیف، خوشی اور غم، غصہ اور محبت وغیرہ لازم و ملزوم ہیں۔ بظاہر یہ بات یقین کا درجہ حاصل کرلیتی ہے کہ ہماری حیثیت ایک معمول کی سی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔ مشیت جو چاہتی ہے اور جیسا حکم دیتی ہے وہی ہوتا ہے اگر مشیت یہ چاہتی ہے کہ کسی زمین پر آباد بستی کو ختم کردیا جائے تو ایسے بندے کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ قتل عام ہے۔ بس اس کے ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ زمین کا تختہ الٹ دیا جائے۔ یہ تعریف ہے ان لوگوں کی جن کو صاحب خدمت کہا جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جن کے اندر اچھائی برائی کا تصور ہے اور وہ اچھائی کو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتے ہیں اور برائی سے اس لئے بچتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔ خاتم النبین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فکر کی دونوں طرزیں ان کی امت کو منتقل ہوئی ہیں۔

علم کے بارے میں گفتگو کے دوران حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم کے دو لفظ ملے ہیں۔ ایک کو میں نے ظاہر کردیا اور دوسرے کو چھپالیا۔ لوگوں نے پوچھا کیا علم بھی چھپانے کی چیز ہے، آپ نے اس کو کیوں ظاہر نہیں کیا؟

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں اگر وہ لفظ ظاہر کردوں تو تم لوگ مجھے قتل کردو گے۔

اب ہم یوں کہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کا وہ لفظ جس کو

Marfat.com

شریعت کہتے ہیں، حاصل تھا اور بندے کے پاس وہ علم تھا جسے تکوین یا خدمت کا علم کہا جاتا ہے۔ صاحب خدمت حضرات اللہ تعالیٰ کے معاملات میں اپنا ذاتی اختیار استعمال نہیں کرتے جبکہ شریعت کے قوانین کے تحت زندگی بسر کرنے والے حضرات اس بات پر مجبور ہیں کہ وہ اپنا اختیار استعمال کریں۔ یہ بات صرف طرز فکر کی ہے۔ راستے دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں۔ ایک راستے پر طرز فکر آزاد ہے اور دوسرے راستے پر پابند۔ پابند طرز فکر کی تعریف یہ ہے کہ یہ روح کی اطلاعات کو اس طرح قبول کرتی ہے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کرے...... نیکی استعمال کرے یا بدی۔ آزاد طرز فکر وہ ہے جو روح کی اطلاعات کو براہ راست قبول کرتی ہے۔ اس کے سامنے ایسا ویسا، چوں چرا نہیں ہوتا۔ بس یہ بات ہوتی ہے کہ ایسا ہے اور ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر رات کے لیے یہ فرمادیں کہ یہ دن ہے تو آزاد طرز فکر میں یہ بات آتی ہی نہیں ہے کہ یہ رات ہے۔ دنیا کے چار ارب انسان بھی یہ کہیں گے کہ رات ہے تو وہ اکیلا شخص یہی کہے گا کہ دن ہے۔ اس کا یہ کہنا صرف کہنے کی حد تک نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بعد رات اس کے مشاہدے میں دن بن جائے گی اور اس کے تمام حواس وہی بن جائیں گے جو دن کے حواس ہیں۔

یہاں ایک نکتہ پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے رات کو دن فرمایا تو تخلیقی فارمولے بدل گئے لیکن چونکہ ایک مخصوص شخص کے لیے فرمایا اس لیے صرف اس کے لیے اس فارمولے میں تبدیلی واقع ہوئی۔ رات اور دن دراصل ایک ہی تخلیق یا ایک ہی یونٹ کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ کا نام رات اور دوسرے کا دن۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ نہیں ہیں۔ اسی بات کو قرآن پاک میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

"ہم نکال لیتے ہیں رات میں سے دن کو اور نکال لیتے ہیں دن میں سے

Marfat.com

رات کو

پر بلا چون وچرا سرِتسلیم خم کردینا چاہئے اوراس کے ہر حکم کی تعمیل ہر حال میں مرید پر ضروری ہے۔یہاں پر اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ شیخ اگر کوئی ایسا حکم دے جو عقل وشعور کے منافی ہو تو کیا اس کی بھی تعمیل کرنا ضروری ہے؟

جواب: جب کوئی بچہ استاد کی شاگردی میں آتا ہے تو استاد کہتا ہے ''کہو الف۔بے۔ج وغیرہ'' اورشاگرد بلا چون و چرا استاد کی بات مان کر الف۔ب۔ج پڑھ دیتا ہے۔ اگرچہ وہ الف۔ب۔ج کہہ دیتا ہے لیکن اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ الف۔ب۔ج کیا ہے۔ استاد جو کچھ کہتا ہے وہ اسے مانتا چلا جاتا ہے دوسرے الفاظ میں استاد کے حکم کی تعمیل اسے علم کی منازل طے کراتی ہے۔ اگرکوئی شاگرد اپنا شعورفہم بیچ میں لاکر الف۔ب۔ج کو قبول کرنے سے انکار کردے تو وہ کوئی علم نہیں سیکھ سکتا۔

یہی حال مادری زبان کا ہے۔بچہ جب ماحول میں چیزوں کے نام اورالفاظ اپنے والدین اوردوسرے افراد سے سنتا ہے۔تو ان میں معانی پہنائے بغیر انہیں قبول کرلیتاہے۔ پانی کے لیے جب پانی کا لفظ سنتا ہے تو پانی کہہ دیتا ہے اور آگ کے لیے آگ سنتاہےتو آگ کہہ دیتا ہے۔اسی طرح پیدائش کے بعد انسان کاکوئی نہ کوئی نام ضرور رکھا جاتا ہے نہ صرف یہ کہ بچہ اس نام پر یقین رکھتا ہے اور قبول کرلیتا ہے بلکہ اس کے اطراف کا پورا ماحول اس بات پر بغیر سوچے سمجھے یقین رکھتا ہے۔

جب کوئی شخص روحانیت کا سفر اختیار کرتا ہے اورکسی روحانی استاد (مراد) کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس کی حیثیت روحانیت میں ایک بچے سے زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ روحانیت کی الف۔ب سے بھی واقف نہیں ہوتا۔

روحانی استاد کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد (مرید) کی ذہنی صلاحیتوں

Marfat.com

اور شعوری سکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو قدم بہ قدم چلا کر اس پر غیب منکشف کردے۔ اس راستے میں مرید کی انا، شعوری واردات و کیفیات، ماحول اور آباؤ اجداد سے ملی ہوئی۔

وفات

بالاکوٹ کا معرکہ جس نے آپ کی تحریک کو زندہ جاوید کیا۔ یہاں پر بھی آپ کے غدار ساتھیوں نے آپ کو پریشان کیا مگر آپ اپنے جانثاروں کے ہمراہ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور شیروں کی طرح جنگ لڑی اور اس جنگ میں آپ اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ہمراہ شہید ہوئے آپ کا مدفن بالاکوٹ میں ہی ہے۔

اقوال وارشادات:

۱۔ دنیا میں سب چیزیں زوال پذیر اور فانی ہیں۔

۲۔ درویشی کے ساتھ ساتھ سیاہ نامہ زندگی کے لیے کوشش کرو۔

۳۔ اگر تخم خراب ہے تو نہیں اگتا اور اس تخم کو خراب کرنے والا نفس ہے۔

۴۔ مرید کو چاہیئے کہ اپنے لئے شیخ کی منزلت سے بالاتر کسی رتبہ کی تمنا نہ کرے۔

۵۔ ہمیشہ انسانوں کی بھلائی اور خدمت کو شعار بنائیں۔

Marfat.com

حضرت فقیر نور احمد چنیوٹی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۲۰ھ

وفات: ۱۲۹۹ھ

عمرعزیز: ۷۹سال

ابتدائی حالات

حضرت فقیر نور احمد صاحب موسیٰ چوہیاں ضلع گجرات میں ۱۲۲۰ھ کو پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا گل احمد اپنے وقت کے مشہور متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ آپ کا تعلق مارتھ قوم سے تھا۔ آپ بچپن ہی سے نہایت لائق تھے اور آپ نے کم عمری میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی اور پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم حضرت مولانا فضل الدین بگوی صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے تزکیہ نفس اور روحانیت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لیے اولیاء کرام مشائخ عظام کی زیارت اور اُن کے فیض سے فیضیاب ہوئے۔ پھر آپ نے سیدنا امام علی شاہ صاحب مکان شریف انڈیا سے بیعت کرلی۔ بیعت کرنے کے بعد آپ ۳ سال تک اپنے مرشد کریم کے پاس اپنے اور روحانیت میں کمال حاصل کیا۔ آپ کو اپنے شیخ سے بہت محبت تھی اور جب بھی اُن کا ذکر آتا آپ آنکھیں بند کر کے جذب کی کیفیت میں چلے جاتے۔

عشق رسول ﷺ

حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے آپ کے عشق و محبت کا عجیب

Marfat.com

ہی عالم تھا۔ آپ کی پوری زندگی سرکارِ دوعالمؐ کی اطاعت و اتباع کا عملی پیکر تھی۔ آپ نے اہل سنت عقائد حقہ کے سلسلے میں تقریر و تحریر سے دین کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ بعض اوقات سرور رحمت ﷺ کی محبت میں اس قدر سرشار ہو جاتے تھے کہ بے اختیار اشعار جن میں حضور ﷺ کی تعریف ہوتی آپ کی زبان مبارک پر آجایا کرتے تھے۔ ایک نعت جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں آپ کی عقیدت رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ کی عملی مثال ہیں۔

بشر میں کیا گو کہ ظاہر شمار
ولیکن دیا ان کو سب اختیار
بشر جو کہیں ہیں وہ مائل بشر
حقیقت کی ان کو نہیں کچھ خبر
وہابی خرابی یہ کیا جانے طور
رہ عقل دیگرے ہے راہ عشق اور

آپ کو دیکھ کر اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اگر آپ ایسی برگزیدہ ہستیاں نہ ہوتیں تو انسانیت کے شرف سے دُنیا کا اعتبار ہی اُٹھ چکا ہوتا۔ آپ رسولِ خدا ﷺ کے سچے خادم اور دینِ الٰہی کے صادق پیروکار تھے۔

روح پرور واقعات

توکل و قناعت اولیائے کرام کا خاصہ ہوتا ہے۔ حضرت نور احمد صاحب کو خدا پر کامل یقین تھا۔ اس لیے آپ ہمیشہ اُس کی رضا پر شاکر و صابر رہتے تھے۔ آپ کے پاس ہر وقت ارادت مندوں اور درویشوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ اور اُن کے کھانے پینے کے تمام انتظام آپ کے آستانے پر ہی کیے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں بھی خدا کی امداد ہی ممد و معاون ہوتی۔ آپ کے مریدین میں بڑے امراء اور روساء شامل تھے

Marfat.com

مگر آپ کسی کا نذرانہ قبول نہ فرماتے تھے سوائے مالِ حلال بصورت جنس اپنے لنگر کے لیے وصول فرمالیا کرتے تھے اوراس میں بھی اس قدر مال وصول کرتے جو صبح سے لے کر شام تک صرف ہو جاتا تھا۔آپ کے آستانے پر کوئی بھی آتا تو آپ اس کو بغیر کھائے پیئے واپس نہ جانے دیتے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر بے شمار اوصاف عطا فرمائے تھے وہاں پر توکل بھی آپ کا ایک عالی شان وصف تھا۔آپ نے اپنے اہل خانہ اور اولاد کو بھی توکل پر یقین رکھنے کی تلقین کی۔آپ کا ارشاد تھا کہ ''خدا خود میر سامانِ ارست ارباب توکل اللہ'' یہ بات بالکل درست ہے کہ خدا پر جن لوگوں کا یقین کامل ہوتا ہے خدا ان کو کبھی بے یارومددگار نہیں چھوڑتا اور قرآن پاک میں بھی خدا تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اسی بات کا درس دیا ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنے والوں کے لیے خدا خود کافی ہے۔اور یہی آپ کے متوکل ہونے کی بنیاد تھی۔بعض اوقات لنگر میں اسباب طعام ختم ہو جاتا تو خدام پریشان ہوجاتے لیکن آپ انہیں خاموش رہنے کی تلقین فرماتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اُسے ہماری ضرورتوں کا ہم سے زیادہ احساس ہے اس لیے اس سے ہمیں بدگمان نہیں ہونا چاہئے۔

آپ کے گھر میں ایک گائے تھی جس کا دودھ اور لسی آپ کے گھر والوں کے استعمال مین آتا تھا۔ایک مرتبہ چند عورتیں آپ کی اہلیہ محترمہ کے پاس آئی ہوئیں تھیں۔ادھر اُدھر کی باتوں میں گائے کا ذکر نکل آیا آپ کی زوجہ عفیفہ کے منہ سے برملا نکل گیا کہ جب سے یہ گائے ہمیں ملی ہے ہمارے گھر میں دودھ، لسی عام ہے اور ہمارے گھر میں بھی زندگی کے آثار نظر آنے لگ گئے ہیں اوراسی طرح کئی باتیں اس قسم کی کردیں جس سے اس بات کا گمان ہوتا تھا گویا زندہ رہنے کا انحصار گائے کی موجودگی پر ہے۔حضرت قبلہ نور احمدؒ صاحب کو جب اپنی بیوی کی اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فوراً گائے کھول کر اللہ کی راہ میں تصدق فرما دی۔گھر والوں اور مریدوں

Marfat.com

کے استفسار پر آپ نے فرمایا ”میری بیوی کو زندہ رہنے کے لیے گائے کی ضرورت تھی۔ میں نے گائے خیرات کر دی ہے اور اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ رب العالمین جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے وہ ہمیں بغیر گائے کے زندہ رکھتا ہے یا نہیں۔ اس پر آپ نے اپنے مرشد عالم سیدنا امام علیؒ کی کتاب ”مراۃ المحققین“ میں ان کا تحریر کردہ ارشاد بیان فرمایا ”فقیر کو خود بھی متوکل ہونا چاہئے اور اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو بھی متوکل بنائے۔

ایک مرتبہ ایک بہت بڑے حکمران اپنے چند حواریوں کے ساتھ آپ کے گھر آئے اور آپ سے ملنے کی خواہش کی۔ آپ کے مرید خاص مرزا نظام الدین گھر سے باہر تشریف لائے اور آنے والوں کو بتلایا ”حضرت اس وقت تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں اور ابھی کافی دیر کے بعد وہ اپنے حجرے سے باہر آئیں گے۔ تب تک آپ لوگ بیٹھیں اور ان کا انتظار کریں۔“ آنے والے لوگوں کو اپنے شاہی کرّوفر پر بڑا ناز تھا۔ انہوں نے مرزا نظام الدین سے کہا ”ہم بہت جلدی میں ہیں اور فی الفور ملنا چاہتے ہیں۔“ موصوف نظام الدین دوبارہ اندر گئے اور حضرت نور احمد صاحب کو حقیقت بتائی۔ حضرت نے جب آنے والوں کا تحکمانہ اندازِ تخاطب سنا تو فوراً فرمایا ”جاؤ اور اُن سے کہہ دو میں اسوقت دونوں جہانوں کے مالک خالق کائنات کا کلام پڑھنے میں مصروف ہوں اور خدا کی درگاہ میں بیٹھ کر میں کسی دُنیاوی حکمران کی پروانہیں کرتا۔ انتظار کر سکتے ہو تو کرو ورنہ چلے جاؤ۔“

مرزا نظام الدین نے ساری بات آنے والے حکمران اور اُن کے ساتھیوں کو بتائی۔ حکم یہ سن کر خوش ہوا کہ میں صرف یہی دیکھنے آیا تھا کہ حضرت نور احمدؒ کو ولایت و روحانیت میں کس قدر دسترس حاصل ہے اور اب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور کانوں سے سن لیا ہے کہ اہل اللہ واقعی غیر اللہ سے نہ ڈرتے اور نہ ہی پرواہ

Marfat.com

کرتے ہیں اور درحقیقت اللہ والوں کی پہچان بھی یہی ہے۔

حضرت فقیر نور احمدؒ صاحب کی خدمت میں آپ کے ایک مرید نے عرض کی ”حضرت! میری والدہ نماز نہیں پڑھتی“ آپ نے اس کی والدہ کو طلب کر کے فرمایا ”دیکھو بی بی! نماز مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور تم کو میں خدا کا حکم سنا کر تلقین کرتا ہوں کہ تم نہ صرف نماز پڑھا کرو بلکہ تہجد بھی پڑھا کرو۔“ اس عورت پر آپ کی گفتگو کا ایسا اثر ہوا کہ اس کی تہجد نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔

ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے کہ ایک فاحشہ عورت آپ کے پیچھے لگ گئی۔ آپ نے کئی حیلوں سے اُس سے گلوخلاصی کرانی چاہی مگر وہ تو آپ کی دیوانی ہو کر رہ گئی۔ آخر کار آپ نے ایک دن حکم دیا کہ ”ہمارے گھر جاؤ اور ایک کتاب کا ذکر کیا کہ وہ لے آؤ۔“ وہ عورت فوراً آپ کے گھر گئی اور دروازے پر دستک دی مگر آپ کی اہلیہ محترمہ نے دروازہ نہ کھولا۔ اس نے متعدد آوازیں دیں مگر اس کو مطلق کامیابی نہ ہوئی آخر وہ تنگ آ کر واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے اُس کو فرمایا ”فاحشہ عورتوں سے عورتیں بھی پردہ کرتی ہیں اور تو نے خوب جان لیا کہ ہم نے تمہیں کس کتاب کے متعلق اشارہ دے کر گھر بھیجا تھا۔“

اس فاحشہ عورت کو آپ کا یہ سمجھانے کا انداز بہت پسند آیا۔ اس نے نہ صرف آپ کا پیچھا چھوڑ دیا بلکہ وہ بے راہ روی سے تائب ہو کر سچی مسلمان خاتون بن گئی اور اس کے شب و روز یادِ الٰہی میں گزرنے لگے۔ یہ سچے مومن کی شان ہے کیونکہ اللہ کا ولی پارس کی مانند ہوتا ہے جس کے ساتھ لوہا بھی ٹکرا جائے تو سونا ہو جاتا ہے۔

حضرت فقیر نور احمد صاحب کے متعلق حکیم احمد علی خان رقمطراز ہیں کہ آپ کی خدمت میں ایک آنکھوں کا مریض آیا جس کے مرض کو اس وقت کے معالجوں اور طبیبوں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا اور خود حکیم صاحب کہتے ہیں کہ میں نے خود بھی

Marfat.com

مریض کو دیکھا مرض واقعی لاعلاج تھا۔ مگر آپ نے اپنا لعاب دہن اُس کی آنکھوں میں ڈالا اور تین چار روز کے اندر اس کی بینائی مکمل طور پر بحال ہوگئی۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک خاص مرید میاں دلاور خان ہرلؒ جو مڑھ بلوچاں کے رہنے والے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مجلس میں کافی وقت گزارنے کے بعد انہوں نے واپسی کی اجازت چاہی تو آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا ''دیکھو ولاور خان تمہارے راستے میں جنگل پڑتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم راستہ کھو جاؤ اس لیے ہوشیار ہو کر سفر کرنا۔ ولاور خان نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اور سفر کا آغاز کیا اور باوجود کوشش کے وہ راستہ بھول گئے اور سخت پریشانی کے عالم میں انہوں نے ایک مسجد میں جا کر نوافل ادا کرنے شروع کیے۔ انہوں نے ابھی سلام پھیرا ہی تھا کہ انہیں فقیر نور احمدؒ صاحب کی آواز سنائی دی کہ ولاور خان راستہ دائیں ہاتھ ہے۔ چنانچہ دلاور خان نے آپ کی بتائی ہوئی سمت کی طرف راستہ اختیار کیا اور اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ دلاور خان ہرلؒ خود بھی بڑے صاحب طریقت بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کے مزار پر آج بھی لوگ حاضر ہو کر ہر مومن کی شفایابی کی دُعا کرتے ہیں اور خدا سے شفا حاصل کرتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ انسان گفتگو میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے اور وہ ایک تو استعارے سے کام لیتا ہے اور انسان کی عادت ہے گفتگو میں مبالغہ بھی کرتا ہے اگر کسی آدمی کی تعریف کرنا مقصود ہے تو عرش سے نیچے تو چھوڑے گا نہیں اور جب اس سے ناراض ہوگا تو وہ فرش نہیں بلکہ تحت الثریٰ میں لے جانے کی کوشش کرے گا۔ میں آپ کو اپنا ایک واقعہ سناؤں کہ میرے ایک پیر بھائی تھائی لینڈ گئے اور وہاں سے انہوں نے حضور قلندر باباؒ کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیج دیا مجھے بہت صدمہ اور تکلیف ہوئی کہ قلندر باباؒ میرے پاس سے چلے جائیں گے۔ مجھ پر بہت

Marfat.com

زیادہ رقت طاری ہوگئی۔ میں نے پیر بھائی کو برا بھلا کہا۔ حضور قلندر بابا چلے جائیں گے تو ہم یہاں کیا کریں گے۔ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ میں حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہوں۔ میں نے سلام پیش کیا حضور ﷺ نے پوچھا...... کیسا آدمی ہے؟ میں نے کہا سب اچھے آدمی ہیں۔ حضور ﷺ کہنے لگے کہ بہت اچھا آدمی خراب آدمی کیسے ہوسکتا ہے۔ میرے اوپر رعب کی کیفیت اتنی زیادہ طاری ہوئی کہ میں گھبرا کر بیدار ہوگیا اور اتنا وزن پڑا کہ میں رات بھر سو نہ سکا صبح سویرے سویرے حضور قلندر باباؒ کو خواب سنایا۔ حضورؒ نے فرمایا ٹھیک ہے ایک طرف تو آپ ان کو اچھے آدمی کہتے ہیں دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ انہوں نے اچھا نہیں کہ آپ کی کس بات کا یقین کیا جائے۔ ایک بات ہوئی چاہئے کہ اگر آدمی اچھا ہے تو اچھا ہے اور اگر برا ہے تو پھر برا ہے۔ ایک آدمی اچھا بُرا کیسے ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے آپ کی اصلاح فرمائی ہے۔ میں نے بہت معافی تلافی کی۔

انسان جو کچھ کہتا ہے فی الوقت وہ سمجھتا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ایک آدمی کو وہ بہت اچھا کہتا ہے اور دو منٹ کے بعد اسی آدمی کو وہ بہت برا کہتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اچھا کہنا سند ہے اور نہ برا کہنا سند ہے وہ منافقت کر رہا ہے حالانکہ وہ نہیں سمجھ رہا ہے کہ وہ منافقت کر رہا ہے۔

قلندر باباؒ نے فرمایا کہ انسانی گفتگو میں مبالغہ بہت ہوتا ہے اور اس کی یہ بشری کمزوری ہے اس پر کوئی آدمی عبور نہیں پا سکتا۔ اس سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کبھی کسی آدمی کو برا نہ کہو۔ اگر وہ برا ہے وہ جانے اللہ تعالیٰ جانے۔ اگر اچھائی میں مبالغہ بھی ہوگا جزا نہیں ملے گی تو سزا بھی نہیں ملے گی بہتر طریقہ یہی ہے کہ کوئی آدمی برا ہوا، اچھا ہو، اسے اچھا سمجھے اگر وہ برا ہے تب بھی اسے اچھا کہو۔ ویسے یہ ہے مشکل کام۔ اس لیئے کہ ایک آدمی ہے اس نے آپ کے ساتھ خلوص و محبت کے ساتھ

Marfat.com

اچھا سلوک کیا جس کی بناء پر آپ اسے اچھا سمجھنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے آپ کو پریشان کرنا شروع کردیا و آپ اس کے خلاف ہوگئے اسے برا بھلا کہنے لگے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے اسے اچھا کیوں کہا تھا۔ آپ اسے اچھا کہہ چکے ہیں ایک دفعہ، تو اب آپ کو اسے اچھا ہی کہنا ہے چاہے وہ کتنا ہی برا ہو۔

کسی بھی مذہب کے بڑے کو برا نہ کہو۔ مثلاً یہ کہ پادری کو برا نہ کہو اور نہ برا جانو۔ جب تم اُسے برا نہ کہو گے تو وہ تمہارے مذہب کے بڑوں کو برا نہیں کہے گا۔ یہ وہ اخلاق حسنہ ہے جس کی تعلیم حضور ﷺ نے دی ہیں۔ قومیں ذاتیات سے بنتی ہیں۔ قوموں سے نوعیں بنتی ہیں۔ پہلے انفرادیت ہوتی ہے پھر انفرادیت سے قبیلے بنتے ہیں قبیلوں سے قومیں بنتی ہیں یعنی بہت سارے افراد کے جمع ہو جانے کا نام قبیلہ ہے بہت سارے قبیلوں کے جمع ہونے کا نام قوم ہے اور بہت ساری قوموں کے ایک جگہ جمع ہونے کا نام نوع ہے انفرادیت Base بن گئی ہے قبیلے کی بھی Base ہے اگر افراد نہ ہوں قبیلہ کہاں سے آئے گا ایک ذہن، ایک طرز فکر کے بہت سارے افراد کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے خاندان بنتا ہے۔ کئی چھوٹے خاندان ایک ہی طرز فکر کے جمع ہو جائیں اسے قبیلہ کہتے ہیں کئی قبیلے مختلف طرز فکر کے ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اسے قوم کہتے ہیں اور کئی قومیں مختلف نظریات کی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اسے نوع کہتے ہیں۔ یعنی فرد ہوگا تو خاندان اور کنبہ بنے گا اور جب آپ نے اپنی طرز فکر یعنی معاشرتی طرز فکر یہ بنالی کہ اپنی ذات سے کسی دوسری ذات کو تکلیف نہیں پہنچے گی اپنی ذات میں رہتے ہوئے کسی بھی فرد کو برا نہیں کہیں گے تو ایک خاندان میں ایک باپ نے اپنا اصول بنالیا۔ اب اس کی اولادیں ہیں۔ دس کی دس نہیں پانچ تو اس کی طرز فکر پر چلیں گی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اچھائی کا ایک دروازہ کھول دیا۔ چھ نسلیں اچھی بنیں۔

Marfat.com

جب تک انسان کی سوچ انفرادی رہتی ہے وہ محدود رہتی ہے اور جب انسان کی سوچ انفرادی نہیں رہتی اور اس کی سوچ میں اجتماعیت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ جو کچھ اپنے لیئے چاہتا ہے وہ دوسروں کے لیئے بھی چاہتا ہے تو اس کی محدودیت ٹوٹ جاتی ہے پھر اس کی فکر محدود دائرہ سے نکل کر لامحدود دائرے میں داخل ہوجاتی ہے محدود کا مطلب یہ ہے کہ جس کی آپ حد بندی کر سکیں، لامحدود وہ چیز ہے جس کی حد بندی تو کر سکیں لیکن وہ حدود میں نہ ہو۔ مثلاً آپ کے پاس ایک زمین ہے اس میں دس کھیت ہیں۔ دوسری زمین ہے اس میں بیس کھیت ہیں تیسری زمین ہے جس میں یہاں سے وہاں تک یہاں تک کھیت ہیں تو یہ دس کھیت محدودیت کے دائرے میں آتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ دس کھیت کے بعد ہزار کھیت ہیں لیکن یہ پتہ ہے کہ بے شمار زمین ہے یہ لامحدود ہے لیکن محدود ہے اس لیے اگر حد بندی کی جاسکے تو اس کی حد بندی ہوسکتی ہے۔ یہی اجتماعیت ہے۔ اب آپ اجتماعیت کے دائرے سے نکل کر لامتناہیت میں داخل ہوگئے آپ کا ذہن لامحدود ہوگیا اب آپ جو بھی سوچیں گے وہ محدود دائرے سے باہر سوچیں گے اور جب آپ لامتناہیت کے دائرے سے باہر سوچیں گے آپ کی سوچ لامحدود ہوجائے گی۔

محدود دائرہ یہ ہے کہ ایک باپ اپنی اولادوں کے لیے سوچتا ہے کہ میری اولاد تعلیم یافتہ ہو۔ ان کے پاس پیسے ہوں گھر ہو وغیرہ، وہ سوچتا ہے میرے بھائی ایسے ہوں، میرے دوستوں کو مجھ سے فائدہ پہنچے یہ بہر حال محدود سوچ ہے اب اس محدود سوچ سے نکلنے کے بعد وہ یہ سوچتا ہے کہ میری قوم کو مجھ سے میری ذات سے فائدہ پہنچے وہ یہ سوچتا ہے کہ میری سوچ سے پوری نوع کو بلکہ کائنات کے اندر جتنے بھی عوام ہیں ان کو فائدہ پہنچے۔ یہ لامحدود سوچ ہے لیکن محدود سوچ ہو یا لامتناہیت کی سوچ، اس کی مشق اور وہ عمل انفرادیت سے ہی شروع ہوتا ہے اگر انفرادیت سے وہ

Marfat.com

عمل شروع نہیں ہوگا تو کسی طرح تکمیل نہیں ہوگی انبیاء میں اور عام آدمیوں میں یہ فرق ہے کہ عام آدمی انفرادی سوچ سے لامتناہیت میں داخل ہوتا ہے۔ پیغمبروں کا یہ وصف ہے اوراللہ تعالیٰ کے انعام اکرام کی وجہ سے وہ لامتناہیت سے انفرادیت میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ بہت فرق ہے اسی لیئے پیغمبروں کو فضیلت ہے۔ عام آدمی انفرادی سوچ سے قدم بہ قدم چل کر یعنی انفرادی سوچ سے ایک خاندان بنے گا ایک قبیلہ بنے گا۔ ایک قوم بنے گی ایک۔ نوع بنے گی پھر نوع سے دوسری نوع سے وہ ہم رشتہ ہوگا یہ انفرادی سوچ ہے لیکن اس کے برعکس پیغمبر لامتناہیت میں جہاں ساری کائنات ایک جگہ ایک کنبے کی حیثیت سے ہم رشتہ سے وہاں سے اس کی سوچ شروع ہوتی ہے اوروہ سوچ نزول کرتی ہے۔ انفرادی سوچ صعود کرتی ہے جس وقت کوئی نبی اس دنیا میں مبعوث ہوتا ہے اس کی پیدائش کا عمل وہی عمل ہے جو عام انسانوں کا ہوتا ہے اس کی نشوونما کا عمل وہی عمل ہے جو عام انسانوں کا ہوتا ہے اس کی نشوونما کا عمل وہی عمل ہے جو عام بچوں کا ہوتا ہے اس کی غذا وہی ہے جو عوام کی غذا ہے جس طرح عام آدمی سوتے ہیں کھاتے ہیں اوردوسری ضروریات زندگی پوری کرتے ہیں اسی طرح پیغمبر بھی پوری کرتے ہیں لیکن جب وہ شعور میں داخل ہوتا ہے شعور سے مراد بالغ شعور نہیں بلکہ بچپن کا شعور۔ اگر شعور کا نام ۷،۸ سال کی عمر رکھیں جس وقت وہ بچہ شعور کے اندر داخل ہوگا اس کی سوچ لامتناہیت سے شروع ہوگی لامتناہیت سے شروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنی بھی مخلوق آباد ہے چاہے وہ نبی کی اپنی نوع سے تعلق رکھتی ہو یا وہ کسی بھی نوع سے تعلق رکھتی ہو اس کی سوچ جو اپنے لیئے ہے وہ ساری نوع کے لیئے ہے حضور قلندر باباؒ نے فرمایا ہے انفرادی سوچ بیکار ہے اجتماعی سوچ انسان کا حاصل ہے اوراس اجتماعی سوچ سے ہی کوئی انسان...... (Gravity) کو توڑ سکتا ہے۔ انفرادی سوچ سے آدمی کشش ثقل کو نہیں توڑ سکتا

Marfat.com

اور جب آپ کشش ثقل کو نہیں توڑ سکتے تو ظاہر ہے کہ زمین میں قید ہیں زمین سے نکلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اڑنے لگیں کبوتر کی طرح۔ انسان اور کبوتر میں یہ فرق ہے کہ کبوتر اڑتا ہے انسان اڑتا نہیں۔ جہاں تک اڑنے کا سوال ہے کبوتر زیادہ افضل ہے انسان سے، اگر انسان اڑنے لگے کبوتر کی طرح تو انسان کہاں رہا کبوتر ہوگیا۔ کبوتر اور انسان میں کس طرح آپ درجہ بندی کریںگے۔ بات یہ ہے کہ وہ زمین پر رہتا ہے کشش ثقل اس پر مسلط رہتی ہے لیکن ذہنی طور پر وہ کشش ثقل سے آزاد ہے یعنی زمین کی جو چپک ہے اور زمین کو جو گرفت ہے اس سے ایک طرف تو گرفت قائم رہتی ہے اس کے پیر اُوپر نہیں اُٹھ جاتے زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ کھاتا ہے پیتا ہے سوتا اور جاگتا ہے لیکن اس دلچسپی پر چپک کے ساتھ ساتھ یہ زمین کی ساری دلچسپیاں اس کا مقصد قرار نہیں پاتیں۔ مقصد اس کا وہی ہوتا ہے جو مقصد ہے۔ مقصد کیا ہے کہ اس کو یہ پتہ ہے کہ ہر انسان نقطہ واحدہ ہے نفس واحدہ ہے اور نقطہ واحدہ کی الٹ پلٹ سے ساری کائنات بنتی ہے وہ یہ جانتا ہے کہ میں ایک نقطہ ہوں ایسا نقطہ جو الٹ پلٹ ہو رہا ہے اس الٹ پلٹ ہونے کی وجہ سے یہ ساری کائنات وجود میں آئی۔ کبوتر یہ بات نہیں جانتا۔ اس لیے کبوتر پرواز میں انسان سے بظاہر اشرف نظر آتا ہے لیکن کبوتر چونکہ اس قانون سے واقف نہیں ہے کہ یہ انسان ہی ہے جو اس قانون سے واقف ہے۔ الٹ پلٹ کبوتر کی بھی ہو رہی ہے۔ بس اس کو یوں سمجھو کہ ایک شیشہ ہے اس میں چھ (Dimension) ہیں اس شیشے کو آپ رکھ دیجئے۔ اس شیشے میں چاروں طرف جتنی چیزیں اوپر نیچے جتنی چیزیں سب نظر آئیں گی مثلاً ادھر آم ہے وہ نظر آئے گا، اُدھر بادام ہے وہ نظر آئے گا۔ ادھر گیٹ ہے وہ نظر آئے گا اُدھر گھڑی ہے وہ نظر آئے گی۔ اور پنکھا ہے وہ نظر آئے گا نیچے زمین ہے وہ نظر آئے گی اب اس نقطے کو آپ پلٹ دیجئے اسے گھمائیے جیسے جیسے آئینہ گھومے گا اسی مناسبت

Marfat.com

سے وہ چیزیں گھومتی چلی جائیں گی یعنی آئینہ کے گھومنے سے چیزیں بدل جاتی ہیں چیزیں بظاہر بدلتی ہوئی نظر نہیں آئیں گی لیکن جہاں وہ نقطہ موجود ہے اس نقطے سے گھومنے سے نقطے کی الٹ پلٹ ہونے سے ہی یہ حرکت قائم ہے۔ جتنا جتنا انسان اپنی اجتماعیت سے دور ہوتا چلا جائے گا وہ انفرادی خول میں بند ہوتا چلا جائے گا اور جتنا جتنا آدمی اپنی اصل سے واقف ہوتا چلا جائے گا وہ انفرادی خول سے آزاد ہوتا چلا جائے گا یہی حضور قلندر بابا کی تعلیمات ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کے ہر فرد کو یا اپنے سلسلہ عظیمیہ کے تمام افراد کو یہ سبق دیتے ہیں کہ انفرادیت سے آزاد ہوجاؤ۔ انفرادیت سے آزاد ہو کر اپنے ذہن کو اجتماعی بنالو۔ جب آپ اجتماعی ذہن بنالیں گے تو چونکہ آپ کا ذہن لامحدود دائرے میں داخل ہوگیا ہے اب کوئی آدمی برا کہے گا تو آپ کو برا نہیں لگے گا اس لیئے برا محسوس کرنا انفرادی سوچ ہے آپ کی کوئی آدمی تعریف کرتا ہے آپ خوشی سے پاگل یا دیوانے نہیں ہوجائیں گے یا تکبر نہیں کریں گے۔ اس لیئے کہ یہ انفرادی سوچ ہے جو خوشامد کو پسند کرتی ہے اجتماعی سوچ میں خوشامد نہیں ہے جب تک آپ کے اندر اخلاص پیدا نہیں ہوگا آپ اجتماعیت میں داخل نہیں ہو سکتے اور اخلاص جب پیدا ہوگیا تو کوئی برا کہے کوئی اچھا، اس کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک اخبار میں میں کالم لکھا کرتا تھا وہاں ایک جنرل مینیجر صاحب تھے۔ تنخواہ کا مسئلہ تھا مجھے اس زمانہ میں دوسو روپے تنخواہ ملتی تھی میں نے کہا میری تنخواہ بڑھاؤ یہ بہت کم تنخواہ ہے۔ قصہ مختصراً ایک دفعہ ان کے یہاں ڈائریکٹران کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ میں اس کمرے میں چلا گیا۔ غصے میں بغیر اجازت کے اور میں نے کہا میرا فیصلہ ہوجائے اگر کالم لکھوانا ہے آپ کو لکھوائیں، میری تنخواہ بڑھائیں دوسو روپے میں گزارا نہیں ہوتا۔

Marfat.com

یہ بات غصے میں ہوگئی جو نہیں ہونی چاہئے تھی اس پر جنرل مینیجر نے سخت سست کہا میں نے بھی انہیں سخت سست کہا۔ انہوں نے کہا میں آپ کا کالم ختم کر دوں گا۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی کرسی چھین لوں گا اور میں آپے سے باہر ہوگیا۔

مقصد یہ تھا کہ حضور قلندر باباؒ سے جا کر عرض کروں گا وہ ایسا کر دیں گے میں اخبار سے نکلا اور سیدھا حیدری (جگہ کا نام) پہنچا۔ غصے کے مارے برا حال تھا حضور قلند باباؒ نے کہا کیا ہے بیٹھیں۔ پانی پلوایا ابھی میں کہنے بھی نہیں پایا تھا انہوں نے فرمایا کہ خواجہ صاحب بات یہ ہے کہ آپ نے جو حرکت کی ہے بہت غلط ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا میں نے صفائی پیش کی کہ فلاں صاحب نے یوں کہا کہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ یہاں زمین پر ہو رہا ہے۔ یا کائنات میں ہو رہا ہے۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے یا کسی بندے کے حکم سے ہو رہا ہے؟

میں نے کہا اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ کہنے لگے اللہ نے آپ کو جنرل مینیجر کی کرسی پر کیوں نہیں بٹھا دیا۔ آپ کو کالم نویس کیوں بنایا۔ آپ کون ہوتے ہیں غصہ کرنے والے۔ اگر آپ میں صلاحیت ہوتی تو آپ جنرل مینیجر ہوتے۔ یہ کون سا طریقہ ہے وہ بہت زیادہ ناراض ہوگئے۔ میں نے سوچا بات ہی اُلٹی ہوگئی واقعی غلطی میری تھی۔ بات سیدھی تھی کہ جب اللہ ہی سب کچھ کر رہا ہے تو مجھے جنرل مینیجر کیوں نہیں بنایا۔ مجھے اللہ نے جنرل مینیجر کے ماتحت کیوں کیا۔ میں دو دن تک دفتر نہیں گیا شرمندگی کی وجہ سے غلطی میری تھی۔ دو دن کے بعد پھر گیا تو انہوں نے مجھے دیکھا۔ میں شرم کے مارے آنکھ نہیں اٹھا سکا کیونکہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا وہ تیزی سے میری طرف بڑھے اور ہاتھ پکڑ کر مجھے کمرے میں لے گئے۔ اور کنڈی لگا دی۔ انہوں نے کہا کہ دیکھنے کی بات یہ ہے جو کچھ اس روز آپ نے کیا آپ کی غلطی تھی لیکن بعد میں میں نے محسوس کیا کہ غلطی میری بھی تھی۔ میں ڈائریکٹران کی میٹنگ

Marfat.com

میں کہہ دیتا کہ ان کا کیس ہے نظر ثانی کرو۔ اگر وہ بڑھاتے پیسے بڑھ جاتے نہ بڑھاتے نہ بڑھتے۔ میرا کیا حرج تھا۔ بھئی میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

میں نے عرض کیا جناب! میں اپنے پیرومرشد کے پاس گیا تھا۔ مجھے الٹی بہت ڈانٹ پڑی ہے جناب میں بہت شرمندہ ہوں آپ مجھے معاف کردیں۔ گلے ملے اور بات صاف ہوگئی۔ مجھے انہوں نے ناشتہ پر بلایا میں نے انکار کردیا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کا دل صاف نہیں ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے میں آجاؤں گا۔ ناشتہ کیا ناشتہ کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا سنائیں جس دن یہ واقعہ ہوا رات کو مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے پھر سوچا میں نے غلطی نہیں کی۔ غلطی خواجہ صاحب کی ہے۔ اسی ادھڑ بن میں سو گیا رات کو ڈھائی بجے کے قریب کروٹ جولی تو ہاتھ سن ہوگیا میں نے کہا اب کیا ہوگا۔ میں نے بیوی کو آواز دی کہ میرا ہاتھ فالج زدہ ہوگیا۔ بہت مالش کی۔ میں رونے لگا بچوں کا کیا ہوگا۔ روتے روتے آپ کا خیال آیا ذہن میں بات آئی کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

بیوی سے کہا نفل پڑھ کر دعا استغفار کرو۔ پھر آکر بیوی نے سکائی کی تو ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ بتانا یہ ہے کہ قلندر باباؒ نے مجھے ڈانٹ بھی دیا۔ مجھ سے معافی بھی منگوا دی اور جی ایم کو سزا بھی دے دی۔ میں نے جہاں کہیں بھی ملازمت کی کبھی اپنے باس سے زور سے بات نہیں کی ٹھیک ہے اگر کام نہیں ہوسکتا تو چھوڑ دیں۔ یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ آپ کلرک کیوں ہیں اور کوئی دوسرا آدمی جنرل مینیجر کیوں ہے۔

حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی عجیب شان ہے میں نے کہا کیا شان ہے؟ فرمایا، لوگ بے وقوف بناتے ہیں، آخر تک بنتا رہتا ہے۔۔۔۔۔ فقیر یہ سمجھتا ہے کہ مجھے بیوقوف بنا کر یہ خوش ہو رہا ہے تو چلو اسے خوش ہونے دو، وہ بیوقوف بنتا چلا جاتا

Marfat.com

ہے تاوقتیکہ وہ بندہ خود ہی بھاگ جائے، اسے اپنی غلطی کا احساس ہوجائے پھر فرمایا حضور ﷺ نے اس بات کو اس طرح فرمایا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے دیکھتا تو وہ عام انسانوں کے دیکھنے میں فرق ہے عام انسان کی آنکھوں میں شعور کا چشمہ لگا ہوا ہے محدود شعور کا چشمہ اور مومن کی آنکھ پر اللہ کے نور کا چشمہ لگا ہوا ہے لیکن وہ اللہ کے نور سے جو دیکھتا ہے اس پر اتراتا نہیں ہے اور نہ اس کا اظہار کرتا ہے یہ بھی فرمایا جو آدمی تمہاری تعریف کر رہا ہے وہ اس لیئے تمہاری تعریف کر رہا ہے یا تو اسے تمہاری ذات سے کوئی توقع ہے کہ اس کا کوئی کام ہوجائے گا یا اس کا کوئی کام ہوگیا ہے اس نے ایک توقع قائم کرلی کہ مجھے اس آدمی سے کسی بھی وقت ایک ہزار روپے مل جائیں گے چونکہ اس نے توقع قائم کی ہوئی ہے اس بنیاد پر وہ اس کی خوشامد بھی کرے گا اگر اس کی توقع پوری نہیں ہوتی تو وہی آدمی جو آپ کی تعریف کر رہا ہے برائی کرے گا کسی آدمی کا اچھا سمجھنا یا برا کہنا دونوں زائد باتیں ہیں آپ اس کی خدمت میں لگے رہئے وہ آپ کو اچھا کہتا رہے گا آپ اس کی خدمت سے انکار کردیجئے وہ آپ کو برا کہے گا اگر آپ اس کی تعریف اور برائی سے بے نیاز ہو جائیں تو وہ آپ کے پاس آنا جانا چھوڑ دے گا۔

حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں کسی کی تعریف سے کیا خوش ہونا اور کسی کی برائی سے کیا دل بُرا کرنا۔

ایک اور واقعہ سنیئے۔ ایک صاحب سے منہ زوری ہوگئی لڑائی ہوگئی۔ میں حضور قلندر باباؒ کے پاس گیا حضور فلاں صاحب سے لڑائی ہوگئی اس نے مجھے یوں کہا یوں کہا۔ قلندر باباؒ نے کہا۔

ٹھیک ہے آپ یہاں بیٹھیں۔ اس نے آپ کو برا کہا جس وقت اس نے آپ کو گالی دی اس وقت آپ کا وزن کتنا تھا میں نے کہا کہ ایک من بیس سیر تھا۔ گالی

Marfat.com

دینے کے بعد وزن تلوایا تھا کیا ایک سیر کم ہوگیا میں نے کہا جی نہیں۔ انہوں نے کہا خواہ مخواہ ہی تھک رہے ہو۔ بھئی اگر وزن کم ہوگیا ہے تو پھر نوٹس لیتے ہیں کہ کیسا برا آدمی ہے اُسے پکڑ کر لاؤ کہ اس نے گالی دی ہمارے خواجہ صاحب کو کہ اس کیوجہ سے ایک سیر وزن کم ہوگیا۔ بعد میں فرمایا، غور کریں کہ جس وقت اس نے گالی دی اس وقت تو آپ کا وزن کم نہیں ہوا اور گالی دے کر بھول بھی گیا اب آپ کے اندر جتنی دیر تک انتقامی جذبہ عود کرتا رہے گا آپ کا وزن کم ہوتا رہے گا۔ وزن گالی سے نہیں گھٹا۔ وزن انتقام کے جذبے سے کم ہوا تکلیف بھی ہوئی اور وزن بھی گھٹا اور وہ آرام سے سو رہا ہے فرمایا کوئی اچھا کہے یا برا کہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ عبوری چیزیں ہیں انہیں کبھی خاطر میں نہیں لانا چاہئے بس اپنی طرف سے جس کے ساتھ جو بھلائی ہوسکے کرو اور اگر بھلائی نہ کرسکتے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کوئی مجبور ہوکر تو نہیں کر رہا۔ آپ کوئی خدا نہیں ہیں یہ خدا کے ہاتھ کی بات ہے وہ ایسے آدمی کو جو فٹ پاتھ پر پڑا ہے۔ اسے محل دیدے اس سے صرف نظر کر کے جو کچھ آپ کرسکتے ہیں کردیں۔ یہ آج میں نے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی نسبت سے جو فرمان آپ کو بتائے ہیں یہ سب آپ نوٹ کرلیں اور اس پر پورا پورا عمل کریں۔ اس سے یہ ہوگا کہ انفرادی ذہن کا جو غلبہ ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔ آدمی جس حال میں بھی ہو۔ اگر انفرادیت کے خول سے آدمی باہر نہیں نکلتا تو اسے خوشی میسر نہیں آتی اس لیئے کہ خوشی ایک ایسی کیفیت ہے جس کو کسی طرح بھی محدود نہیں کیا جاسکتا اور لامحدود چیز محدودیت میں داخل نہیں ہوسکتی یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک گلاس میں آپ سمندر انڈیل دیں یہ ہوسکتا ہے کہ گلاس آپ سمندر میں الٹ دیں شعور کی انفرادیت محدود ہے۔ انفرادیت کے اندر آپ مستقل خوشی حاصل کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے خوشی اگر حاصل کرنی ہے تو خوشی اور غم دونوں سے گزرنا ہوگا خوشی اور غم دونوں محدود چیزوں کا نام ہے خوشی کی بھی ایک

Marfat.com

(Limit) ہے اورغم کی بھی ایک (Limit) ہے خوشی کا بھی ایک وقت ہے غم کا بھی ایک وقت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خوشی کا وقت معلوم نہیں ہوتا۔ سالوں گزر جائیں نہیں معلوم ہوتا کہ ایک دن گزرا ہے اوراللہ تعالیٰ......سب کو حفظ وایمان میں رکھے غم اور پریشانی کا ایک دن سال بھر کے برابر ہوتا ہے لیکن تجزیہ کرنے کے بعد ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خوشی بھی محدود کیفیت کا نام ہے اورغم بھی محدود کیفیت کا نام ہے اگر آپ محدود کیفیت سے باہر چلے جائیں انفرادیت سے نکل کر اجتماعی ذہن حاصل کرلیں تو خوشی اورغم چونکہ دونوں کیفیتیں محدود ہیں اسکی گرفت آپ کے اوپر سے ٹوٹ جائے گی اسی بات کو اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے لا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ جو اللہ کے دوست ہوتے ہیں انہیں غم ہوتا ہے اورنہ خوف۔ محدود دائرے میں رہنے والا آدمی اللہ کا دوست نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اللہ تو لامحدود ہے بلکہ لامتناہیت ہے۔ انفرادی سوچ سے نکلنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی خوشی اورغم دونوں سے بے نیاز ہوتا ہے اوراس کے اوپر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کو آپ سرور کہتے ہیں اس کا نام خوشی نہیں رکھ سکتے اللہ کے قانون کے مطابق یہاں ہر چیز دورخوں پر قائم ہے جب تک آپ خوش ہیں غم اس کے ساتھ چپکا ہوا ہے جب تک آپ غمگین ہیں خوشی اس کے ساتھ ساتھ چپکی ہوتی ہے خوشی اورغم الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں یعنی ابھی خوش ہے تو ابھی غمگین ہیں ابھی غمگین ہے تو ابھی خوش ہے بالکل اسی طرح رات اوردن الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں ابھی دن ہے ابھی رات ہے۔ ابھی رات ہے تو ابھی دن ہے۔ اسی صورت سے خوشی اورغم ایک دوسرے سے ردوبدل ہورہے ہیں ردوبدل کا ہوناہی اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کی سوچ محدود ہے جب آدمی محدود سوچ سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے خوشی/غم دونوں نکل جاتے ہیں اورخوشی/غم نکلنے کے بعد ایک کیفیت ہوتی ہے جو اس کے اوپر

Marfat.com

طاری رہتی ہے اس کیفیت کا نام آپ کی لغت میں لفظوں میں نہیں ہے اس کو سرور کہنا اس لیئے ٹھیک نہیں کہ سرور جب ٹوٹتا ہے تو اس کے اوپر اذیت ناک کیفیت ہوتی ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کو کیفیت بھی نہیں کہہ سکتے۔ یعنی اس کا نام یہ ہے کہ خوشی/غم دونوں سے نجات کر لیتا ہے۔

اُسے آپ لنگوٹی بندھوا دیں تو خوش ہے اسے آپ اطلس و کم خواب کے کپڑے پہنا دیں تو ٹھیک ہے اسے مرغی کھلا دیں تو ٹھیک ہے۔ اسے روکھی روٹی کھلا دیں تو تب بھی خوش ہے اس لیے کہ وہ خوشی اور غم دونوں سے ماورا کیفیت میں ہے۔ ایسے بندوں کو اللہ اپنے پاس سے کھلاتا ہے اپنے پاس سے پہناتا ہے اور صرف وسائل اس کے تابع کر دیتا ہے۔ بندہ وسائل کے تابع نہیں رہتا۔

وفات

حضرت فقیر نور احمد صاحب کا وصال ۱۵ شعبان ۱۲۹۹ھ کو ہوا۔ آپ نے وفات سے چند روز قبل اپنے تمام مریدوں کو پیغام بھیجا کہ ہم ایک دور دراز سفر پر روانہ ہونے والے ہیں لہٰذا جمعہ کو سب لوگ مسجد میں آ کر ہمارا دیدار کریں۔ آپ کا عرس ہر سال شعبان کی ۱۵ تاریخ کو ہوتا ہے۔

اقوال و ارشادات

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ مردان حق کبھی کسی میداں میں نہیں ڈرتے۔

۲۔ موت سے ڈر کر کسی کی غلامی کبھی بھی قبول نہ کرو۔

۳۔ حق اور سچ کی بات پر ڈٹ جانا عین عبادت ہے۔

۴۔ اگر خدا کو آپ کی بھلائی مقصود ہے تو وہ ہو کر رہے گی۔

۵۔ بندہ اگر اپنی سوچ بہتر رکھے گا تو اس کو پچھتاؤ نہیں ہوگا۔

Marfat.com

حضرت میاں محمد بخش قادری رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۴۶ھ

وفات: ۱۳۲۴ھ

عمر: ۷۸سال

ابتدائی تعلیم

حضرت میاں محمد بخش صاحب ۱۲۴۶ھ میر پور کے علاقہ کھڑی شریف کے ایک چک ٹھاکر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی گھریلو تعلیم و تربیت اپنے بھائی حضرت میاں بہاول بخش سے حاصل کی۔

جنگلی جانور درندے آپ کے تابع تھے

احاطہ دربار میں چار دیواری کے متصل ایک معمولی سی کٹیا میں آپ نے چودہ سال بسر کیے۔ اور پھر صحرا نوردی اختیار کی۔ ایک انتہائی تاریک رات کو یاد الٰہی میں مشغول تھے کہ اچانک نیک نورانی چہرہ بزرگ نمودار ہوا۔ چندے گفتگو فرمانے کے بعد وہ آپ کا ہاتھ تھام کر کٹیا سے باہر لے گیا اور ایک جنگلی بوٹی توڑ کر آپ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے گویا ہوا۔

''اس سے خاص سونا بن سکتا ہے۔ حکم ہو تو طریقہ بتاؤ'' آپ نے سنا تو مسکراتے ہوئے فرمایا:۔

''حضرت! اگر بتانا ہے تو اس قلب میں زر خالص کی سی چمک دمک پیدا کرنے کا گر بتائیں۔''

Marfat.com

بزرگ نے یہ سنا تو اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔ چند دنوں بعد پھر حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا۔

''ارشاد ہو تو ایسا عمل عرض کروں جس سے جنگلی جانور اور درندے آپ کے تابع ہو جائیں۔''

''اگر بتا سکتے ہو تو ایسا نسخہ بتاؤ جو توسنِ نفس پر سواری میں مددگار ثابت ہو۔''

یہ سن کر وہ شخص چلا گیا اور کبھی لوٹ کر نہیں آیا۔

حضرت شیخ کشمیری سے ملاقات

کافی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد واردِ کشمیر ہوئے تو سیدھے حضرت شیخ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص چوبی تخت پوش پر بیٹھا تلاوتِ کلام اللہ میں مصروف تھا۔ آپ کو دیکھا تو اس نے کہا۔

''آپ حضرت شیخ کشمیریؒ سے شرفِ ملاقات چاہتے ہیں۔ ان کی آمد کے بارے میں قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کب تشریف لائیں گے۔''

اس نے ابھی یہ فقرہ کہا ہی تھا کہ باہر کے دروازے سے حضرت شیخ احمد ولیؒ کشمیری ہاتھ میں عصا تھامے نمودار ہوئے اور حضرت میاںؒ صاحب سے اس طرح پرتپاک ملے جیسے عرصہ دارز سے جانتے ہوں۔ دورانِ گفتگو حضرت ومڑی والی سرکارؒ کا ذکرِ خیر آیا تو حضرت شیخ کشمیریؒ نے احتراماً اپنا سر خم کر دیا۔ حضرت میاں محمد بخشؒ کو نیا جوتا خریدنے کے لیے تھوڑی سی نقدی دی۔ اور فرمایا:۔

''ابھی کشمیر کی سیر کریں جب واپسی کا ارادہ ہو تشریف لائیں انشاء اللہ ملاقات ہو جائے گی۔'' اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

حضرت میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے مزارات

Marfat.com

کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک روز حضرت شیخ نور الدین ولی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر تھے کہ والی کشمیر کے ایک مصاحب نے دیکھ لیا اور اُسے آپ کی موجودگی کے بارے میں اطلاع دی۔ حاکم کشمیر نے حضرت سید باقر علی شاہؒ کی محافل میں کئی بار آپ کی بزرگی وعظمت کا تذکرہ سنا تھا۔ فوراً آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور بصد انکسار و محبت شرف مہمانی کی درخواست کی۔

آپ ایک ماہ تک اس کے پاس رہے۔ اس دوران میں اہالیان کشمیر جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے آئے اور دین و دنیا کی دولت سے فیضیاب ہوئے۔ ایک ماہ کے بعد آپ نے واپسی کا اارادہ فرمایا۔ حسب ارشاد حضرت شیخ احمد ویؒ کشمیری کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ اُسی لمحے وہ اندر تشریف لائے اور حضرت میاں صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے جہاں انہوں نے حکم لدنی جو بطورِ امانت ان کے پاس تھا ایک ہی نظر میں حضرت میاں صاحبؒ کے سینے میں منتقل فرمایا۔ جب آپ حجرے سے باہر تشریف لائے تو آپ پر محبت الٰہی اور عشقِ رسولﷺ کا انوکھا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آپ وطن واپس تشریف لے جانے کی بجائے جنگلوں اور بیابانوں کی طرف نکل گئے جہاں آپ صبح و شام یاد الٰہی میں بسر کرتے تھے۔

روح پرور واقعات

ایک مرتبہ آپ آستانہ عالیہ آوان شریف حافظ قادر بخش کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے۔ دلاور پور گاؤں کے قریب شام ہوگئی۔ شب باشی کے لیے آپ خود تو مسجد میں تشریف لے گئے اور حافظ قادر بخش گھوڑیوں کو لے کر گاؤں کے چوہدریوں کی حویلی کی طرف چلا گیا جہاں وہ اس وقت چوپٹ کھیل رہے تھے۔ انہوں نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ کون آیا ہے۔ حافظ صاحب کو یہ بات ناگوار گزری۔ واپس آ گیا۔ راستے میں ایک شخص نے اُسے پڑھا لکھا سمجھ کر گیارھویں شریف کے ختم کے

Marfat.com

لیے ساتھ لے گیا۔ ختم پڑھنے اور تبرک لینے کے بعد واپس جانے لگا تو وہ شخص مسجد تک ساتھ آیا جہاں حضرت میاں صاحبؒ تھے۔ دریافت کرنے کے باوجود حافظ صاحب نے حضرت میاں صاحبؒ کے بارے میں کچھ نہ بتایا تو اس شخص نے سمجھا کہ یقیناً یہ کوئی بلند پایہ محترم و بزرگ ہستی ہے جو اپنا نام تک بتانا پسند نہیں کرتی۔ بصد عجز و انکسار اپنے ہمراہ لے گیا۔ راستے میں حافظ صاحب نے چوہدریوں کی بے التفاتی کا ذکر کیا لیکن آپ خاموش رہے۔

اگلے روز صبح دم جب آپ روانہ ہونے لگے تو حافظ صاحب نے اپنے میزبان کو حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بتایا تو وہ زار و قطار رونے لگا۔ کفِ افسوس ملتے ہوئے بولا:۔

"قطب زماں میرے گھر میں رات بھر رہا اور میں خاطر خواہ طور پر خدمت بھی نہیں بجالایا۔"

حضرت میاں صاحب نے اس کا خلوص و محبت دیکھا تو اس کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس شخص نے عرض کیا۔

"حضور میاں صاحبؒ! میرے گھر میں حد سے زیادہ غربت و افلاس ہے۔ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے میرے دن نہیں پھیرے۔"

"خدائے قدوس و غنی کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ بعید نہیں کہ وہ چوہدریوں کے گھر کی شان و شوکت تمہیں بخش دے جو مسافروں کے ساتھ بے رُخی سے پیش آتے اور نجس کھیلوں میں مشغول رہتے ہیں اور تمہارے گھر کی غربت ان کے گھر میں ڈال دے۔"

آپ کی زبان ترجمان حق بیان سے یہ نکلنا تھا کہ حالات نے پلٹا کھانا شروع کیا اور قلیل مدت میں وہ شخص چوہدریوں کے مقام اور چوہدری اس کی حالت کو

Marfat.com

پہنچ گئے۔

کالا نامی بیلدار دربارِ اقدس کے لیے پتھر لایا کرتا تھا۔ ایک دن اس کا اکلوتا بیٹا قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا۔ حضرت میاں صاحبؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"حضور! اس دربار سے سینکڑوں بے اولاد آپ کی دُعا سے صاحب اولاد ہوئے ہیں۔ میرا ایک ہی لڑکا تھا جو وفوت ہوگیا ہے۔ کیا دربار شریف کی خدمت کا یہی ثمر ہے؟"

"گھبراؤ نہیں اللہ تمہیں اور بیٹا دے گا۔ اس کے شانے پر سیاہ رنگ کا داغ ہوگا۔"

آپ نے فرمایا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے لڑکا عطا فرمایا تو کندھے پر سیاہ نشان تھا۔

روحانی توجیہہ

حضرت میاں محمد بخش قادری فرماتے ہیں کہ ذوق اور شوق اور اخلاقیات سے انسان کے اندر نکھار پیدا کرتا ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی فرماتے ہیں کہ علم دو طرح کے ہوتے ہیں جو علم حاصل کرنا ہے ذوق شوق سے کریں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اے موسیٰؑ ڈر مت اپنے عصا کو پھینک دے۔ حضرت موسیٰ کا عصاء یا لاٹھی ایک بڑا اژدھا بن گیا اور اس نے میدان میں موجود تمام سانپوں اور اژدھوں کو نگل لیا۔ اور اس طرح علم استدراج یا جادو کے علوم پر علم حضوری کو فتح حاصل ہوئی۔ لیکن یہ بات محلِ نظر ہے کہ جادوگروں نے رسی پھینکی تو سانپ بن گئی اور بانس پھینکے تو اژدھے بنے اور موسیٰ نے لاٹھی پھینکی تو وہ بھی ایک اژدھا بن

Marfat.com

گئی۔ فرق اگر کچھ ہے تو یہ کہ موسیٰ کی ایک لاٹھی اتنا بڑا اژدھا بن گئی کہ اس نے میدان میں موجود بے شمار سانپوں اور اژدھوں کو نگل لیا۔ لیکن جہاں تک جادوگروں کی خرق عادت یا جادو کا تعلق ہے ان کی رسیاں بھی سانپ بنتی ہیں اور جہاں تک موسیٰؑ کے معجزہ کا تعلق ہے ان کی لاٹھی بھی اژدھے کی صورت اختیار کرتی ہے البتہ ایک بات ہمیں نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ موسیٰ کا بنایا ہوا اژدھا بہت زیادہ طاقتور تھا۔ یعنی جادو اور علم حق دونوں علوم کا وجود تو ہے مگر علم حق ہمیشہ شیطانی علوم یا استدراج پر غالب آتا ہے اس بات کو ذرا آسان الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس طرح کہا جائے گا کہ علم کا تعین دو درجوں میں ہوتا ہے ایک درجہ یہ ہے کہ اس علم کی بنیاد زر پرستی جاہ طلبی اور دنیاوی عزت و وقار ہوتا ہے اور علم حق کی تعریف یہ ہے کہ علم حق میں ماسوا اللہ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ علم حق والا بندہ جو کچھ کرتا ہے جو کچھ دیکھتا ہے جو کچھ سنتا ہے وہ حق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے پیش نظر کوئی نام وری نہیں ہوتی اس کے پیش نظر نعوذ باللہ زر پرستی نہیں ہوتی۔ اس کے پیش نظر کوئی دنیاوی لالچ نہیں ہوتا۔ اس کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آتی کہ مجھ سے کوئی ایسی خرق عادت صادر ہو جس کی وجہ سے لوگ مرعوب ہوں اور میری عزت کریں۔ اس کے برخلاف علم استدراج والوں کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کارنامے دکھا کر دنیا حاصل کریں اور دنیا کی نظر میں سرخرو ہوں اس کی پسند بھی قرآن پاک سے ملتی ہے فرعون مصر نے جادوگروں کو طلب کر کے کہا کہ اگر تم نے موسیٰ کو زیر کر دیا تو میں تم کو مالا مال کر دوں گا اور تمہیں اپنا مصاحب بنالوں گا...... اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو کے زور پر جو کارنامے انجام دیئے اس کے پیچھے ان کے خیالات اغراض و مقاصد اور دنیا پرستی تھی۔ جب کہ حضرت موسیٰ کو میدان میں آنے سے پہلے اس قسم کی کسی بات کا خیال تک نہیں آیا۔ محض حق کے غلبہ کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو ظاہر کرنے کے

Marfat.com

لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ شیطانی علوم علم حق کے سامنے باطل ہیں۔ کمزور ہیں، جھوٹے ہیں، میدان میں تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ڈرمت اپنی لاٹھی پھینک دے یہ ثابت کرتا ہے کہ موسیٰ کے ساتھ میدان میں جو کچھ پیش آیا وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے محض اللہ کے بھروسہ پر ان بڑے بڑے طاقت ور جادوگروں کے سامنے اللہ کے لیے کھڑے ہوگئے اس واقعہ میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ جادوگروں نے جو رسیاں پھینکی تھیں اور ان کے سانپ بن گئے اور جو بانس پھینکے تھے ان کے اژدھے بن گئے تھے یہ سب فریب دھوکہ اور فکشن تھا اس لیے کہ جب موسیٰ کی لاٹھی نے ان کو نگل لیا تو اس کا کوئی وجود قائم نہیں رہا جب کہ موسیٰ نے اپنی لاٹھی پر دوبارہ ہاتھ ڈالا تو ان کی لاٹھی موجود تھی معجزہ اور جادو میں یہ فرق بہت نمایاں ہے جادو کے زور سے کوئی چیز قائم کی جائے یا کسی کے اندر تصرف کیا جائے چونکہ وہ اس ذہن کی پیداوار نہیں ہے جو ذہن حقیقت سے آشنا ہے اس لیے جادو کی تخلیق یا جادو کا یہ مظاہرہ عارضی ہوتا ہے قانون یہ ہے کہ حقیقت ادلتی بدلتی نہیں ہے حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے اور حقیقت رہتی ہے جادو کے زور سے بنے ہوئے سانپ اور جادو کے زور سے بنے ہوئے اژدھے سب نیست و نابود ہوگئے اور موسیٰؑ کی لاٹھی اپنی جگہ موجود رہی۔ اس واقعہ سے روحانیت میں چلنے والے شاگردوں کے لیے یہ راز ظاہر ہوتا ہے کہ طرز فکر اگر غیر حقیقی ہو وہ عارضی ہوتی ہے اور اس سے آدمی ذہنی طور پر فرار حاصل کرلیتا ہے طرز فکر اگر حقیقی ہو تو حقیقت آشنا، طرز فکر جہاں بھی منتقل ہوجائے۔ حقیقت آشنا رہتی ہے اور حقیقت میں ردو بدل نہیں ہوتا ایک استاد یا گرو اپنے چیلے کو جب استدراجی علوم سکھاتا ہے اور یہ علوم سکھانے کے لیے چیلے کے اندر اپنی طرز فکر منتقل کرتا ہے تو وہ چیلا گرو تو بن جاتا ہے لیکن یہ گرو کسی بھی وقت اس طرز فکر سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے یا کرسکتا ہے اور ایک ایسا بندہ جو سیدنا حضورؐ یا پیغمبر کرامؑ کی طرز فکر سے آشنا ہے یا اولیاء

Marfat.com

اللہ کی طرز فکر اسے فی الواقع منتقل ہوگئی ہے تو یہ بندہ اس طرز فکر سے کبھی آزاد نہیں ہوتا اور اس طرز فکر میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ حقیقت حقیقت سے گلے مل لیتی ہے۔ تاریخ میں ایسی ایک بھی مثال موجود نہیں ہے کہ کسی ایسے بندے نے جو حقیقی طرز فکر کا حامل تھا۔ علم استدراج کی طرف رجوع کیا ہو اور ایسی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں کہ علم استدراج کے بڑے بڑے ماہر اور دانشوروں نے اسلام کی حقانیت کو قبول کر کے شیطانی علوم سے اپنا دامن صاف کرلیا ہے۔ پیرومرشد دراصل ایک استاد یا گرو کی طرح ہے بات صرف اتنی سی ہے کہ استاد کے اندر طرز فکر کون سی کام کر رہی ہے؟ اس طرز فکر کا تعلق شیطنیت سے ہے یا اس طرز فکر کی رسائی حق تک ہے۔ جس کی طرز فکر کی رسائی حق تک ہے۔ وہی طرز فکر بندے کو اللہ سے متعارف کراتی ہے اور ایسا ہی بندہ راہ سلوک میں قدم قدم چل کر اللہ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔

طرز فکر کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ دراصل انسان کا کردار اس کی طرز فکر سے تعمیر ہوتا ہے۔ طرز فکر میں اگر پیچ ہے تو کسی بندے کا کردار بھی پر پیچ بن جاتا ہے طرز فکر سادہ تو بندے کی زندگی میں سادگی کارفرما ہوتی ہے۔ طرز فکر اگر سطحی ہے تو ایسا بندہ ہر چیز کو بالکل سطحی طریقہ پر سوچتا ہے طرز فکر میں اگر گہرائی ہے تو بندہ ہر چیز کے اندر گہرائی تلاش کرنے کے لیے تفکر کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرز فکر کی نشاندہی کی ہے۔
حضرت ابراہیمؑ نے سورج کو دیکھا تو سمجھا کہ یہی خدا ہے لیکن جب اُسے زوال پذیر ہوتے دیکھا تو طرز فکر کی گہرائی نے ان کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ گھٹنے والی چیز کبھی خدا نہیں ہوسکتی۔ حضرت ابراہیمؑ کے ماحول میں جتنے اور لوگ تھے ان کی سمجھ میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ بدلنے والی اور گھٹنے والی چیز کبھی خدا نہیں ہوسکتی۔ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی موجودگی میں ایک فرد واحد کی سوچ الگ ہے اور اس سوچ میں حقیقت

Marfat.com

پسندی اور گہرائی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بہت بُرے ماحول میں ایک خاص طرز فکر کے لوگوں میں رہتے ہوئے بھی طرز فکر الگ ہوسکتی ہے۔ یہ حقیقت پسندانہ طرز فکر کہاں سے منتقل ہوئی۔ جب کہ پورے ماحول میں یہ کہیں نظر نہیں آتی، اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ حقیقت پسندانہ طرز فکر ہر آدمی کے اندر موجود ہے لیکن ہر آدمی اسے استعمال نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑ ڈالا۔ لوگوں کے اندر اشتعال پیدا ہوگیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ ان خداؤں کو کس نے توڑا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اپنے ان خداؤں سے پوچھ لو۔ باوجود یہ کہ ان لوگوں کے سامنے یہ بات آگئی۔ کہ بت اپنی مرضی اور منشاء کو استعمال نہیں کرسکتے اور انہیں توڑا پھوڑا جاسکتا ہے ان کے اندر حقیقت پسندی نے حرکت نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی غیر حقیقی باتوں کو اصل اور حقیقی سمجھتا ہے۔ تصوف میں سالک جب راہ سلوک اختیار کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کی طرز فکر میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور اس طرز فکر کی داغ بیل اس طرح پڑتی ہے کہ روحانی استاد یا پیرومرشد بتدریج اپنے شاگرد سے اس قسم کی باتیں کرتا ہے جو اس کے ماحول میں موجود نہیں ہیں یا ماحول میں بسنے والے لوگ ان کی طرف اپنے اختیار سے توجہ نہیں دیتے۔ مثلاً اگر یہ کہ فی الواقع کوئی روحانی شخصیت ہے اُس کی مجلس میں بیٹھ کر ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو عام طور پر دوسری مجلسوں میں نہیں کہی جاتیں۔ بعض اوقات یہ باتیں اتنی دلچسپ اور عجیب ہوتی ہیں کہ ایسے لوگ بھی جن کی طرز فکر ناقص ہے اور یہ ناقص طرز فکر ان کے اندر مستحکم ہے وہ بھی ان باتوں کو سننے کے لیے اس مجلس میں شریک ہوتے ہیں سب سے پہلے پیرومرشد جو کام سرانجام دیتا ہے وہ یہ ہے کہ مرید کے اندر اس بات کو راسخ کر دیتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی مفروضہ فکشن

Marfat.com

اورعارضی ہے جو چیز مفروضہ فکشن اور عارضی ہے اس کو حقیقت نہیں کہا جاسکتا۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ باوجود یہ کہ آدمی خود کو بااختیار سمجھتا ہے زندگی کے شب و روز میں کہیں بھی اس کا اختیار زیر بحث نہیں آتا، وہ پیدائش کے بعد بالکل غیر اختیاری طور پر بڑھتا رہتا ہے۔ جوانی کے بعد یہ نہ چاہنے کے باوجود کہ وہ بوڑھا ہو بالآخر بوڑھا ہوجاتا ہے دنیا کا ایک فرد واحد بھی یہ نہیں چاہتا کہ وہ مرجائے لیکن جو آدمی پیدا ہوتا ہے وہ ضرور مرتا ہے آدمی کو اس بات پر تو اختیار حاصل ہے جیسا کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ غذائی ضروریات کو کم یا زیادہ کر لے لیکن اس بات پر اس کو بالکل دسترس حاصل نہیں کہ وہ ساری زندگی کھانا کھائے یا ساری زندگی پانی پیئے۔ یا ہفتوں مہینوں بیدار رہے یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جو ہر شخص کے ساتھ نہ صرف یہ کہ پیش آتی ہیں بلکہ اس کے ہر ہر لمحہ کے ساتھ چپکی ہوئی ہیں۔ لمحات وقت گھنٹے دن مہینے اور سالوں کا یہ تغیر ایک ایسا تغیر ہے جس سے کوئی باہوش آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ ان تمام تغیرات کی نشاندہی کر کے پیرومرشد یہ بات بتاتا ہے کہ اس تغیر کے پیچھے یہ حقیقت چھپی ہوئی ہے کہ کوئی ذات ایسی ہے جس کے ہاتھ میں اس تغیر وتبدل کی ڈوریاں ہیں اور وہ ہاتھ سے ان ڈوریوں کو جس طرح حرکت دے رہا ہے زندگی تغیر پذیر ہو رہی ہے جس سالک کے ذہن میں یہ دن رات کا ایسا مشاہدہ جس کے اوپر عوام الناس نے پردہ ڈالا ہوا ہے سامنے آتا ہے تو اس کا ذہن خود بخود اس ہستی مطلق کی طرف رجوع ہوجاتا ہے جس ہستی کے ہاتھ میں تغیر وتبدل کی ڈوریاں حرکت کر رہی ہیں یہ طرز فکر کا پہلا بیج ہے جو کسی مرید یا سالک کے دماغ میں بودیا جاتا ہ پھر اس بیج کو پروان چڑھانے کے لیے پیرومرشد مزید جدوجہد اور کوشش کرتا ہے اور وہ یہ کہ ایسے برگزیدہ حضرات کو سامنے لاتا ہے جن کی طرز فکر میں حقیقت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

Marfat.com

وفات

سات ذوالحجہ ۱۳۲۴ھ آپ کا وصال ہو گیا۔

اقوال و ارشادات

۱۔ انسان کو صبر اور نماز سے سکون ملتا ہے۔

۲۔ تزکیہ نفس کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ علم ذوق، شوق اور اخلاقیات سے انسان کے اندر نکھار پیدا کرتا ہے۔

Marfat.com

حضرت احمد رضا خان بلویری رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۷۲ھ

وفات: ۱۳۴۰ھ

عمر عزیز: ۶۸ سال

ابتدائی حالات

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ بریلی (یوپی) ہندوستان میں ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا نقی علی خان تھا۔ وہ بلند پایہ عالم اور صاحب عالم بزرگ تھے۔ آپ کے دادا کا نام مولانا رضا علی خان تھا۔ آپ نہایت ذہین اور ذکی انسان تھے۔ اس فطری ذکاوت کی بنا پر ۱۲ سال ۱۰ ماہ پانچ دن کی عمر میں آپ نے علوم درسیہ سے فراقت حاصل کرلی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ۱۲۹۴ھ کو اپنے والد صاحب کے ہمراہ حضرت شاہ آل رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر قادریہ سلسلہ میں سبقت کرلی اور خلافت سے بھی نوازے گئے۔

مجاہدات اور مرشد کامل

آپ فرماتے تھے ''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس قدر مجاہدات کیے ہیں مگر ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا وہ جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں ضرور اپنی راہ دکھاتے ہیں'' اس لیے مذکورہ لوگ جھوٹے ہیں حقیقۃً وہ مجاہدہ کرتے نہیں ہیں کیونکہ طلب صادق ہو تو راستہ خود بخود طے ہو جاتا ہے اور دو گام چلنے پر ہی منزل سامنے آجاتی ہے پھر اعلیٰ حضرت

Marfat.com

نے ایک حکایت بیان فرمائی۔ ایک شخص ایک مدت سے کسی پیر کامل کی تلاش میں تھا بہت کوشش کی مگر مطلوب و مقصود نہ مل سکا ایک رات خدا کو عرض کیا ''اے اللہ! کل صبح فجر کی نماز کے بعد گھر سے نکلوں گا جو سامنے آجائے گا اس کی ہی بیعت کرلوں گا۔'' صبح جب نماز پڑھ کر گھر سے نکلے تو سب سے پہلے جس شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی وہ چور تھا اور چوری کا مال ہاتھ میں پکڑے آرہا تھا اس طالب صادق نے چور کا ہاتھ پکڑا اور کہا ''حضرت بیعت لیجیے'' وہ چور بڑا حیران ہوا اور بولا ''میں تو چور ہوں۔ چوری کا اسباب میرے ہاتھ میں ہے میں کس بنا پر آپ کو بیعت کرسکتا ہوں'' وہ صاحب بالکل نہ مانے اور کہا ''میں نے اپنے رب سے عہد کیا تھا صبح فجر کی نماز کے بعد گھر سے باہر نکلوں گا جو شخص ملے گا اسی کی بیعت کرلوں گا چنانچہ تم ہی پہلے شخص ہو جس سے میری ملاقات ہوئی ہے اب اللہ سے کیے ہوئے عہد کے مطابق تمہیں میری بیعت لینی ہوگی دونوں بھی ابھی کشمکش ہو رہی تھی کہ وہاں حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے انہوں نے خدا کا حکم سے اس چور کو آن کی آن میں تمام مراتب دیے اور تمام مقامات فوراً طے کروائے۔ ان کو ولی بنایا اور اس چور سے بیعت لی اور اب وہ حضرت خضر کی طلسمی نگاہوں کی تابش سے قطب بن چکا تھا۔ اس نے اس طالب صادق اور مرشد کامل کے متلاشی کی بیعت کی۔''

اس حکایت سے اعلیٰ حضرت نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مجاہدات و ریاضت کرنے میں جذبہ طلب سچا اور لگن آگیں ہو تو اللہ تعالیٰ نہ صرف منازل خود طے کروا دیتا ہے بلکہ ولایت کو اپنے سچے طالب کے پاس خود بھیج دیتا ہے۔

دوام ہمیشہ نہیں ہوتا

دوام کسی کے لیے نہیں، ہمیشہ نہ کوئی رہا ہے نہ رہے گا، ہمیشگی رب العزت کے لیے ہے جو ہمیشہ سے موجود ہے جب کہ باقی ہر شے کو ایک دن تباہ اور فنا و معدوم ہو جانا ہے۔ اسی لیے اسلاف کرام رحمتہ اللہ علیہم نے اپنے پاک انفاس قدسیہ کے

Marfat.com

حالات مبارکہ و مکاتیب طیبہ و ملفوظات طاہرہ جمع فرمائے ہیں ہمیں چاہئے کہ اپنے اسلاف کرام کے ان گراں قدر علمی خزینوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور افکار عشق و محبت، مسائل شریعت و طریقت کے مجموعہ معرفت و حقیقت کے گنجینہ کو اپنی آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جائیں اور یہ سلسلے تا قیامت جاری و ساری رہیں۔"

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کین دولت از گفتار خیزد

اعلیٰ حضرتؒ کی بافیض صحبت جو بھی اختیار کرتا اس پر حقیقت و معرفت کے تمام دروا ہو جاتے تھے۔ شریعت و طریقت کے وہ باریک مسائل جن کو مدتوں غور و خوض کے لیے بھی بڑے بڑے اکابرین سر ٹکراتے رہتے تھے آپ ایک فقرے میں ان مسائل کا حل نہایت سادہ اور سہل طریقہ سے فرما دیتے تھے۔ وقائق و نکات اور مذہب و ملت جو ایک چیستاں اور ایک معمہ ہوتے ہیں جن کا حل دشوار ہوتا ہے لیکن آپ ان مسائل کو منٹوں میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کی محفل میں روحانیت و ولایت کے جواہر عالیہ و زواہر غالیہ اس طرح بکھرے ہوتے تھے کہ جو چاہتا اپنی جھولیاں بھر لیتا تھا۔ آپ کے فیوض و برکات کے چشمہ ہائے صافی سے ایک زمانے نے روحانیت کی تشنگی دور کی۔ آپ نے ملت اسلامیہ کی بھلائی کے لیے زبانی، تحریری اور عملی خدمات سرانجام دیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص خدا سے بخشش اور خیر کا طالب ہے اس لیے ہی ساری مخلوق خدا کے دربار میں جبیں ریز ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک پری نے جو خود سلیمانی تھی شیطان کو نماز پڑھتے دیکھا تو بڑی حیران ہوئی اور شیطان سے پوچھا تم تو انسان کے ایمان و آگہی کے دشمن ہو مگر آج نماز پڑھ رہے ہو۔ کیا تمہیں خبر ہے کہ تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں شیطان نے اس پری کو جواب دیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں کیونکہ بخشش مانگنے کا وسیلہ ہے شاید اس سے میری بخشش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے کسی کو خیر اور بخشش مانگنے سے نہیں روکا۔

روح پرور واقعات

ایک مرتبہ ایک شخص اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''کیا مرنے کے بعد عذاب روح پر ہوتا ہے یا جسم پر بھی'' آپ نے فرمایا ''روح اور جسم دونوں پر عذاب ہوتا ہے اور اسی طرح ثواب بھی۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک لنجھا کسی باغ کے سامنے پڑھا تھا اور میوے دیکھ رہا تھا مگر اس تک جا نہ سکتا تھا۔ اتفاقاً ایک اندھے کا اس طرف سے گزر ہوا وہ اندھا باغ میں جا سکتا تھا مگر میوے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لنجھے نے اندھے سے کہا ''بھائی مجھے باغ میں لے چلو وہاں جا کر ہم دونوں میوے کھائیں گے'' اندھے نے اس کو اپنی گردن پر سوار کیا اور باغ میں لے گیا۔ لنجھے نے میوے توڑے اور دونوں نے کھائے اس صورت میں کون مجرم ہوگا۔ دونوں ہی مجرم ہوگے اندھا بھی اور لنجھا بھی۔ اس میں اعلیٰ حضرت نے جسم کو اندھے سے تشبیہ دی اور لنجھے کو روح کے ساتھ'' آپ کا سمجھانے کا انداز نہایت دل نشیں اور شگفتہ ہوا کرتا تھا جب تک سائل کو اپنے سوال کا جامع اور ٹھوس جواب نہ مل جاتا۔ آپ مسئلہ کو مختلف رنگوں میں بیان کیے جاتے۔ متعدد مثالیں دیگر اشعار کی تشبیہات سے بات واضح فرماتے اور بار بار بتانے اور سمجھانے سے بالکل نہیں گھبراتے تھے۔

بچوں کے ناموں کے بارے میں اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرتبہ کسی شخص نے آ کر کہا کہ میں اپنے بچے کا کیا نام رکھوں۔ میں نے کہا ''اول اسماء حسنیٰ میں سے نام رکھنا مسنون ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جو میری محبت کی وجہ سے اپنے بیٹے کا نام محمد یا احمد رکھے گا اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹے کو بخش دے گا اور قیامت کے روز ملائکہ کہیں گے کہ جن کا نام محمد یا احمد ہے جنت میں چلے جاؤ۔ اور ایک مرتبہ حضور نے یہ بھی فرمایا کہ جس گھر میں کسی کا نام محمد یا احمد

Marfat.com

ہے اس گھر کی زیارت کے لیے ملائکہ دن میں ایک مرتبہ ضرور آتے ہیں۔

کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قبرستان میں کیونکہ بغیر جوتوں کے داخل ہونے کا حکم ہے اور اگر راستہ میں ببول کے کانٹے پڑے ہوں تو کیا پھر بھی جوتے اتارنے ضروری ہو گے۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا ''شریعت مطہرہ کا عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کام سے منع فرماتی ہے کسی مصلحت سے اور جب بندہ کو ضرورت پیش آتی ہے تو فوراً اپنی ممانعت اٹھالیتی ہے خمر و خنزیر سے بڑھ کر کون سی چیز حرام فرمائی گئی ہے مگر ساتھ ہی مضطر کا استثناء فرما دیا کہ جنگل میں جب انسان کو شدت کی پیاس لگے۔ یا پانی کہیں نہ ملے مگر شراب موجود ہو اور ایسی حالت ہو جائے کہ مرنے کا اندیشہ ہو، یا منہ میں نوالہ اٹکا ہوا ہے سوائے شراب کے کوئی چیز ایسی نہیں کہ نوالہ اتر سکے اور نہ پینے سے دم گھٹ کر مرجانے کا خطرہ ہو۔ ایسی حالت میں اگر شراب نہ پی اور مر گیا تو گنہگار ہوگا اور موت حرام ہوگی اسی طرح سخت بھوک لگی ہوئی اور سوائے خنزیر کے گوشت کے کوئی چیز دستیاب نہ ہو اور ایسی جگہ پر ہو جہاں اور کسی چیز کے ملنے کی توقع نہ ہو تو اگر خنزیر کا گوشت نہ کھایا اور مر گیا تو گنہگار ہوگا اور حرام موت مرے گا۔

ایک شخص نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کی ''میری بیٹی کچھ عرصہ پہلے انتقال کر گئی تھی میں نے ایک مرتبہ خواب میں اس کو علیل اور برہنہ دیکھ چکا ہوں اس لیے سخت مضطرب ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا تم اپنی بیٹی کو کلمہ طیبہ ستر ہزار مرتبہ معہ درود شریف پڑھ کر اس کی روح کو بخش دو انشاء اللہ آئندہ اس کو تم خواب میں ایسی حالت میں نہیں دیکھو گے کیونکہ جو کلام بھی کسی کو بخشا جاتا ہے وہ دونوں کے ذریعہ نجات ہوتا ہے پڑھنے والے کے لیے بھی اور جس کو بخشا جائے اس کے لیے بھی۔ اور اگر تمام مومنین و مومنات کو ایصال ثواب بخشا جائے تو اس کا ثواب بے شمار ملتا ہے پھر آپ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا ایک واقعہ

Marfat.com

سنایا کہ وہ کسی جگہ دعوت میں تشریف لے گئے اس دعوت میں ایک لڑکا بھی شریک تھا جو کشف میں شہر بھر میں مشہور تھا۔ اچانک کھانا کھاتے ہوئے وہ لڑکا رونے اور چلانے لگا۔ جب اس سے اسکی وجہ دریافت کی گئی تو بولا "میری ماں کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوا ہے اور فرشتے اس کو جہنم میں لے جارہے ہیں۔ حضرت ابن عربی کے پاس ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پہلے کا پڑھا ہوا محفوظ تھا۔ آپ نے اپنے دل میں ہی اس لڑکے کی ماں کو بخش دیا اور ایصال ثواب کے لیے دعا فرمادی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکا خوش ہوگیا اور ہنسا۔ ابن عربی نے اس سے ہنسنے کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کی ابھی میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے میری والدہ کو جنت کی طرف لے کر جارہے ہیں"

حضرت شیخ ابن عربی فرماتے ہیں مجھے اس لڑکے کے کشف کی تصدیق ہوگئی کہ کلمہ طیبہ کے پڑھنے کے ثواب سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب نے کئی مرتبہ فرمایا کہ بکثرت کلمہ طیبہ کے ذکر سے روح بالیدہ خاطر ہوجاتی ہے۔

اپنے ان علوم سے آپ نے عمر بھر لوگوں کو فیض یاب کیا اور دین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ فرماتے تھے ایک شخص مجاہدات اسی سال کی عمر میں کرے یا اسی سال مجاہدہ کرے کیونکہ جس طرح اس عالم میں مسبّبات کو اسباب سے مربوط فرمایا گیا ہے۔ اسی طریقہ پر اگر چھوڑ دیں اور جذب وعنایت ربانی بعید کو قریب نہ کردیں تو اس راہ کی قطع کو اسی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک دن میں نصرانی سے ابدال کردیا جاتا ہے اور صدقِ نیت کے ساتھ اگر کوئی شخص مجاہدہ میں مشغول ہوجائے تو اس کو امداد الٰہی تصور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔ "وہ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔"

آپ نے تحیۃ الوضو کے نوافل کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک

Marfat.com

مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا "اے بلال! کیا سبب ہے کہ میں جنت میں تشریف لے گیا تو تمہیں میں نے آگے آگے جاتے دیکھا" عرض کی "یا رسول اللہؐ! میں جب وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نفل پڑھ لیتا ہوں" آپؐ نے فرمایا "بس تمہارے آگے آگے جانے کا یہی سبب ہے" اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں "تمام روحانیت کے سلسلوں میں ان نوافل کی ادائیگی کے متعلق بڑی تاکید کی ہے۔"

روحانی توجیہہ

حضرت احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے بندے کے ہمیشہ قریب ہوتی ہے۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ان کے اس قول کی اس طرف تشریح فرماتے ہیں:

کائنات کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر جب ہم غور کرتے ہیں جس ارشاد کی بنا پر کائنات اپنے تمام تخلیقی اجزاء اور عناصر کے ساتھ موجود ہوگئی تو ہم اس کے علاوہ دوسری کوئی بات نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کائنات کی صورت میں وجود پذیر ہوگیا۔ جس حکم کی بناء پر وسیع و عریض اور لامتناہی کائنات، کھربوں کہکشانی نظام، سنکھوں کی تعداد سیارگان اور کروڑوں کی تعداد میں ستارے یا (Stars) وجود میں آنے کا سبب صرف اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور وہ حکم ہے "کن" کن کا مطلب ہے "ہوجا" جب ہم اس "ہوجا" کے اوپر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہوجا کہنے والی ہستی کے ذہن میں کوئی ایسا پروگرام ہے جس پروگرام کے تحت وہ کسی چیز کو نہ صرف یہ کہ وجود میں لانا چاہتا ہے بلکہ اسے قائم رکھنے کے لیے وسائل بھی فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کیا ہو جا، صرف یہ فرمایا کہ "کُن" ہو جا۔ کیا ہوجا یہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذہن اللہ تعالیٰ کا تمام کا تمام علم

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کن فرمایا تو کائنات کو تخلیق کیا۔ پھر اس تخلیق میں ایک نئی بات پیدا ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی تخلیق کو نظر عطا کی۔ اور نظر کو فعال، متحرک بنانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ ''الست بربکم'' میں ہوں، میں تمہارا رب بہت زیادہ تفکر طلب ہے۔ اس کی تشریح کو آئندہ کے لیے محفوظ کر کے ہم اصل معاملے کی طرف آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ میں تمہارا رب ہوں تو کائنات میں موجود تمام تخلیقات، بشمول فرشتے اور انسان اور جنات، سب نے برملا یہ کہا۔ ''جی ہاں! ہم یہ بات جانتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کے یہ فرمانے سے پہلے کہ میں تمہارا رب ہوں کائنات کی حیثیت ایک گونگی، بہری شئے کی تھی۔ اس کو اپنا ادراک تو تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا ہوں، کیوں ہوں کون ہوں اور میرا بنانے والا کون ہے۔ یہ نہ جاننا کہ میں کون ہوں، کیوں ہوں اور میرا بنانے والا کون ہے اس بات کی علامت ہے کہ کائنات کو ابھی نظر نہیں ملی تھی کائنات میں چونکہ بنیادی حیثیت انسان کی ہے اس لیے ہم کائنات کی بجائے انسان کا تذکرہ کریں گے۔ کسی جگہ بے شمار انسان موجود ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں کیوں ہیں۔ اور ہمارا بنانے والا کون ہے؟ اس لاعلمی کو علم سے بدلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو کائنات کے سامنے پیش کیا۔ اور باآواز بلند فرمایا۔ ''میں تمہارا رب ہوں'' کائنات یا انسان اس آواز کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا اعتراف کیا۔ اب اس بات کو اس طرح کہا جائے گا۔ کہ نظر کا پہلا ٹارگٹ یا مرکزیت اللہ ہوا۔ اللہ کو دیکھنے کے بعد اللہ کا عکس دماغ کے اوپر منتقل ہوا۔ یہی وہ قانون ہے جس کو ہم نے پچھلے اسباق میں بیان کیا ہے یعنی آنکھ کسی عکس کو قبول کر کے دماغ کی اسکرین پر منتقل کرتی ہے۔ یہ منتقلی ۱۵ اسکینڈ ہلکی گہری قائم رہ کر تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیش نظر

Marfat.com

ہم یہ جانتے ہیں کہ نظر اس وقت کام کرتی ہے جب نظر کے لیے کوئی مرکزیت ہو، انسان کی نظر کی پہلی مرکزیت اللہ ہے۔ اس دنیا میں آنے کے بعد مرکزیت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ ہم علم حضوری سے ہٹ کر علم حصولی کے جال میں بند ہوگئے۔ نتیجے میں ہماری نگاہ کی مرکزیت مفروضہ اور فکشن حواس بن گئے۔ لیکن قانون اپنی جگہ بحال رہا جس طرح حقیقت دماغ کی اسکرین پر منتقل ہوتی ہے اسی طرح فکشن حواس بھی دماغ کی اسکرین پر منتقل ہوتی ہیں بات صرف اتنی سی ہے کہ فکشن حواس کی منتقلی ہمیں پابند حواس میں قید رکھتی ہے اور غیر فکشن حواس کی منتقلی ہمیں آزاد دنیا سے روشناس کراتی ہے۔ روحانی سلسلوں، اسباق، قواعد وضوابط، اعمال واشغال، تفکر، مراقبہ، تصور شیخ ان تمام باتوں کو نظر غائر دیکھا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ کسی ایک ہستی کو مرکزیت بنا کر بار بار دماغ کی اسکرین پر منتقل کیا جائے۔ جتنا زیادہ ایک خیال یا ایک مرکزیت دماغ کی اسکرین پر منعکس ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے دماغ کا ایک پیٹرن (Pattern) بن جاتا ہے اور یہی پیٹرن تصور کی اصطلاح میں طرز فکر ہے۔ ہم جب استاد، پیرومرشد یا شیخ کا تصور کرتے ہیں تو ازلی قانون کے مطابق شیخ کے اندر کام کرنے والی اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم بار بار ہمارے دماغ کے اوپر وارد ہوتا ہے اور جیسے جیسے شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں سالک کے اندر کام کرتی ہیں سالک کا ذہن ایک نقطہ پر قائم ہوجاتا ہے۔

اسی کو تصوف کی اصطلاح میں نسبت قرار دیا گیا ہے۔ روحانیت میں نسبت حاصل کرنے کا اہم ذریعہ محبت ہے جس قدر محبت و عشق کی لہریں موجزن ہوتی ہیں اسی مناسبت سے شیخ کا ذہن منتقل ہوتا ہے رہتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ شیخ کے اندر کام کرنے والی نہ صرف یہ کہ روشنیاں انوار بلکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات بھی سالک کو حاصل ہوجاتی ہیں۔ یا سالک ان انوار اور تجلیات سے متعارف ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

اس صورت کا نام تصوف میں ''فنا فی الشیخ'' ہے شیخ کی روشنیاں اور شیخ کے اندر کام کرنے والے انوار اور تجلیات بھی شیخ کا اپنا ذاتی وصف نہیں ہے۔ جس طرح ایک سالک نے اپنی تمام تر توجہ اور ذہنی ارتکاز کے ساتھ شیخ کے علم اور شیخ کی صفات کو اپنے اندر منتقل کیا ہے اسی طرح شیخ نے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ سیدنا حضور ﷺ کے علم اور صفات کو اپنے اندر منتقل کیا ہے۔ فنا فی الشیخ کے بعد شیخ کے اندر کام کرنے والی وہ صلاحیتیں سالک کے اندر بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں کی بنیاد پر شیخ نے سیدنا حضور ﷺ کی نسبت حاصل کی ہے۔ اس مقام کو تصوف میں...... فنا فی الرسول کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے۔ بشریت کے دائرے سے باہر ہو کر دیکھا جائے تو حضور ختم المرسلین کی فضیلت یہ ہے کہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے اور وحی خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے یعنی سیدنا حضور ﷺ کے ذہن مبارک پر اللہ تعالیٰ کے علوم اللہ تعالیٰ کے انوار اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات منعکس ہوتی ہے۔ فنا فی الرسول کے بعد کوئی سالک قدم بقدم محبت و عشق اور گداز کے ساتھ حضور ﷺ کے علوم کا عارف ہوتا رہتا ہے اور ایک سعید وقت ایسا آتا ہے کہ حضور ﷺ کے علوم سالک کو اس کی استطاعت کے مطابق حاصل ہو جاتے ہیں۔ جتنی استطاعت کسی سالک کے اندر موجود ہے اور جس مناسبت سے حضور ﷺ کے علوم اسے منتقل ہوئے اسی مناسبت سے وہ حضور ﷺ کی نسبت سے فائز ہوا۔ تصوف میں اس نسبت کو نسبت محمدی کہا جاتا ہے نسبت محمدی حاصل ہونے کے بعد سالک کا ذہن اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ حضور ﷺ کی نسبت اور ہمت کے وسیلے سے اس مقام پر جا ٹھہرتا ہے جس مقام میں رہتے ہوئے اس نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں اس نسبت کو تصوف میں نسبت وحدت کہا جاتا

Marfat.com

ہے اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں تو وہ وہ مقامات کھلتے ہیں جن کے بارے میں لکھنا یا بتانا، شعوری سکت سے باہر ہے۔ مقصد اس تمام گفتگو سے یہ ہے کہ انسان کے اندر دماغ ایک ایسی اسکرین ہے جس کا عکس مسلسل و متواتر بغیر وقفہ کے منتقل ہوتا رہتا ہے یہ الگ بات ہے کہ عکس کی معنویت جدا جدا ہے اگر عکس کی یہ منتقلی علم حصولی کے دائرہ کار میں ہے تو اس علم کی تمام معنویت مفروضہ اور فکشن ہے اور اگر اس عکس کی منتقلی علم حضوری کے دائرہ کار میں ہے تو عکس کے اندر موجود تمام علوم حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں لیکن قانون اپنی جگہ تو قانون ہے۔ جب تک ذہن انسان پر کوئی عکس منتقل نہیں ہوتا۔ انسان کی نظر کام نہیں کرتی۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آدمی اندھا ہے اس کی آنکھیں نہیں ہیں۔ وہ بھی دوسری چیزوں کو محسوس کرتا ہے سمجھتا ہے ان کی علمی حیثیت کو جانتا ہے ہم اس بات کو بتا چکے ہیں کہ دیکھنے کا عمل ڈیلوں کی حرکت اور پلک جھپکنے پر قائم ہے۔

اس ساری گفتگو کا لب لباب یہ ہوا کہ روحانی علوم حاصل کرنے کے لیے نسبت حاصل ہونا ضروری ہے۔ نسبت سے مراد دراصل اس استاد یا پیر و مرشد کی طرز فکر ہے جس سے روحانی علوم منتقل ہو جاتے ہیں روحانی علوم منتقل ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا ایسا ورثہ ہے جو شیخ کی روحانی اولاد کو منتقل ہوتا ہے جس طرح ایک باپ کی دنیاوی دولت اولاد میں تقسیم ہوتی ہے۔ نسبت یا طرز فکر کے دو رُخ ہیں ایک رُخ یہ کہ ایسے بندے کی طرز فکر منتقل ہو جس کے ذہن میں دنیاوی جاہ و جلال، عزت و شہرت کی اہمیت ہو۔ دوسری نسبت یہ ہے کہ ایسے استاد کی طرز فکر منتقل ہو جس کی طرز فکر میں اور جس کے ذہن میں دنیاوی جاہ و جلال، عزت و شہرت کی اہمیت ہو۔ دوسری نسبت یہ ہے کہ ایسے استاد کی طرز فکر منتقل ہو جس کی طرز فکر میں اور جس کے ذہن میں دنیاوی جاہ و جلال کی کوئی خاص وقعت نہ ہو۔ اس حد تک وہ دنیا سے متعلق ہو کہ اس

Marfat.com

کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ضروریات کے سلسلے میں بھی اس کی طرز فکر جس میں دنیا کی محبت ہے اور دنیاوی...... آرام و آسائش کی اس کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے، میں بھی روحانی قدریں موجود ہیں۔اسی طرز وفکر سے بندے کے اندر بھی روحانی استعداد موجود ہوتی ہے اور ایسے استاد یا گروہ سے جو علم منتقل ہوتا ہے اس کو بھی روحانی علم سے باہر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ایسے علوم جو روحانیت کے دائرہ کار میں آتے ہیں اور طرز فکر بنیادی طور پر دنیاوی ہو تصوف کی اصطلاح میں استدراج کہلاتے ہیں۔ استدراج سے مراد یہ ہے کہ ایسے علوم جن کے ڈانڈے شیطان سے ملتے ہوں یعنی بنیادی طور پر شیطنیت اس کے اندر موجود ہو۔ ہم اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ شیطان یا ابلیس جن علوم سے فیض یاب ہے اور جو علوم اسے حاصل ہیں یا اس کی ذریات کو حاصل ہیں وہ بھی ایک درجہ میں روحانی علوم ہیں۔اس کے برعکس وہ روحانی علوم جو ایسے استاد سے منتقل ہوتے ہیں جن کی طرز فکر میں دنیا محض ایک فریب ہے اور فکشن ہے ان کو علوم حضوری کہا جاتا ہے۔ روحانی علوم کی دو طرزیں ہیں ایک استدراج اور ایک علم حضوری۔ استدراج سے مراد وہ تمام شیطانی علوم ہیں جو آدمی اپنی روح صلاحیتوں کو بیدار کر کے حاصل کرلیتا ہے یہ بات بہت زیادہ غور طلب ہے کہ استدراج علوم بھی بطور ورثہ کے منتقل ہوتے ہیں۔

وفات

آپ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعہ المبارک کو ہوئی۔اعلیٰ حضرت کا مزار شہر بریلی محلہ سوداگراں دارالعلوم منظر اسلام کے شمالی جانب ایک پر شکوہ عمارت کے اندر ہے آپ کا عرس مبارک ہر سال ۲۴،۲۵ صفر کو ہوتا ہے۔

اقوال و ارشادات

۱۔ اہل اللہ کی زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

Marfat.com

۲۔ جس میزان میں عقل کوئی نہ تول سکے۔ اللہ تعالیٰ اُس صورت اور سیرت اور کردار میں بہتری کرتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے سے اس کے حق ظن سے معاملہ فرماتا ہوں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے بندے کو ہمیشہ قریب ہوتی ہے۔

Marfat.com

حضرت نور محمد کلاچوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ولادت: سن ۱۳۰۳ھ
وفات: حتمی رائے نہیں ملتی

ابتدائی حالات

حضرت نور محمد سروری کلاچوہی ۱۳۰۳ھ میں ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک گاؤں کلاچی میں پیدا ہوئے۔ آپ والد کا نام حاجی گل محمد تھا وہ نہایت زاہد، عابد متقی پرہیز گار اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ نے چھوٹی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی بڑی نیک اور خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ آپ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے والدین کا بہت حصہ ہے۔

بیعت کرلی

آپ نے حضرت شمس العارفین حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ سے بیعت کی اور مرشد کریم کی قربت سے وہ تمام رحمت و برکت کے خزانے حاصل کیے جو ایک مرید کے لیے باعث فخر ہے آپ نے قرآن پاک اور احادیث نبوی کی تفسیر پر گہری نظر سے اُن کا مطالبہ کیا اور پھر اُس پر ملکہ سیر حاصل کرلی۔

حضرت نور محمد کلاچوہی علم وفن میں

آپ نے اپنے علم کا زبان وقلم سے شاندار علمی نمونہ پیش کیا۔ آپ کی تحریروں میں تین ایسی نرالی باتیں تحریر فرمائیں جو آج تک کسی اہل قلم اور اہل علم سے ظاہر نہیں ہوسکیں۔ آپ نے اس علم کو پوشیدہ اور مخفی بھید کو پوری طرح بے نقاب کیا

Marfat.com

اوراہل مشرق کو پہلی باراس بھید ے روشناس کیا۔آپ نے اپنے علم کی روشنی میں اسلامی حقائق پیغمبروں کے معجزات اور خوارق کو عقلی اور نقل سے ثابت کیا۔اس کے علاوہ آپ نے فقر وعرفان کے متعلق جس انداز سے متبع وتلقین کی وہ بھی ایک کارنامہ ہے۔

روح پرور واقعات

اللہ تعالیٰ اپنے خاص برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء اوراولیاء کی جب اپنی مخلوق کو رشدو ہدایت پر مامور فرماتا ہےتو انہیں اپنا باطنی علم عطا فرماتا ہے جس کوعلم لدنی کہتے ہیں جیسے ارشاد ربانی ہے۔

''جسے ہم نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا اوراسے اپنی طرف سے باطنی علم عطا کیا تھا۔''

اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں اپنے باطنی حکم و مربی اورمرشد حضرت سلطان العارفین کے دربار میں حاضر تھا۔میں نے باطن میں دیکھا کہ حضرت کے دربار میں داخل ہو رہا ہوں۔ میں نے ایک بزرگ عامل کوبھی آپ کے دربار کے باہر غلام گردش مین دیکھا جو ایک طالب علم کوسورۃ مزمل پڑھنے کی خاص تلقین کر رہے تھے۔ چنانچہ دربار کے دروازے میں میری آنکھیں اُس بزرگ سے دوچار ہوگئیں اورمیری اس کے ساتھ باطنی رسہ کشی شروع ہوگئی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اوراُس عامل کے درمیان ایک نور کا رسہ ہے جس کا ایک سرا اُس بزرگ کے ہاتھ میں اوردوسرا میرے ہاتھ میں۔ ہم دونوں خوب زور لگا کر اُس نوری رسے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے۔جس وقت وہ بزرگ رسے کو زور سے اپنی طرف کھینچتے ہیں تو اُن کے جسم کی حالت میں عجیب سی تبدیلی آجاتی اور جب رسہ کو میں کھینچتا تو مجھے بھی اپنا جسم تبدیل ہوتا ہوامحسوس ہوتا۔

ہم دونوں میں کافی دیر رسہ کشی ہوتی رہی۔میرا منہ اُس وقت اُس بزرگ کی

Marfat.com

طرف تھا اور کمرا اپنے مرشد کے مزار کی طرف تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری پشت کی طرف سے میرے اندر کوئی روحانی قوت منتقل ہو رہی ہے جس سے میری طاقت بڑھ گئی اور میں نے زور لگا کر رسہ کھینچا تو ایک لخت رسہ اُس بزرگ کے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے ہاتھ میں آ گیا اور اُسی وقت کسی نے میری کمر تھپکی اور مجھے آفرین وشاباش کہا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا سینہ نورانی بوجھ سے وزنی ہو گیا ہے اور یہ بزرگ جن کا اوپر مذکورہ ہے حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

ایک درویش جن کا نام یار محمد تھا وہ آپ کے مرشد حضرت سلطان العارفین کا عقیدت مند تھا۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

''میں نے سنا تھا کہ جو شخص بھی حضرت سلطان العارفین کے مزار پر حاضری دیتا ہے اُس کی وہ مراد پوری ہو جاتی ہے جو وہ دل میں سوچ کر جاتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے دل میں یہ مراد لے کر گیا کہ حضرت کو اصلی صورت میں دیکھوں گا۔ مگر دو دن قیام کے باوجود میں حضرت کی زیارت نہ کر سکا۔ میں نا اُمید ہو کر دربس چل پڑا اور دل میں سوچنے لگا کہ لوگوں نے یہ غلط پراپیگنڈہ کیا ہوا ہے کہ حضرت کے مزار پر حاضری سے مرادیں برآتی ہیں۔ انہی خیالات پریشاں میں غلط چلتا رہا اور جب رات ہونے لگی تو میں نے سوچا کہ کسی مسجد میں جا کر رات گزاری جائے۔ چنانچہ رات کو جب میں سو گیا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت سلطان العارفین کے مزار میں ہوں اور وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہا ہوں اور دل میں یہ سوچتا ہوں کہ جاتی دفعہ آخری بار حضرت کے مزار کی زیارت کرلوں۔ جب نگاہ مزار کی طرف کرتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں قبر کی بجائے ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے اور اُس پر چادر اُڑھے حضرت سلطان العارفین لیٹے ہیں اور منہ سے چادر ہٹا کر فرماتے ہیں۔

''یار محمد! مجھے دیکھو دنیا میں میری یہی صورت تھی جو اب تم دیکھ رہے ہو۔''

Marfat.com

پس میری آنکھ کھل گئی۔ میں اپنی مراد بر آنے پر تو خوش تھا ہی، عجیب دولت اور خوشی جو مجھے ملی وہ یہ تھی کہ رات سونے سے پہلے بالکل مطلق جاہل اوران پڑھ آدمی تھا مگر سلطان العارفین کی زیارت کے بعد مجھے قرآن مجید حفظ ہو چکا تھا۔ اپنی تسلی کے لیے میں نے کئی حفاظ کو قرآن مجید سنایا۔ اُس میں کوئی غلطی نہ تھی یہ برکات اللہ تعالیٰ نے ایک ولی کے روئے روشن کی بدولت یار محمد کو عطا فرمائیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت، عبادت و ریاضت فی نفسہ کرنے سے قربِ خداوندی نصیب ہوتا ہے۔ آپ حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بایزید کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے وہاں انہوں نے خدا کے کسی ولی کو دیکھا۔ اس پر آسمان سے نور کی تجلی نازل ہو رہی تھی۔ بایزید کہتے ہیں کہ میں نے اُس ولی کے پیچھے پیچھے کعبہ کا طواف کرنا شروع کر دیا جہاں وہ ولی کامل پاؤں رکھتے میں بھی وہیں رکھتا تھا۔ اچانک اُس ولی نے مڑ کر دیکھا اور مجھے سرزنش کی۔

''اے نادان! جب تک میرے جیسے عمل نہیں کرے گا خالی میرے قدموں پر اپنے قدم رکھنے سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔''

بایزید فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ خدا جانے یہ ولی اللہ کون سا عمل کرتے ہوں گے۔ ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ اُس کامل شخص نے دوبارہ مڑ کر میری طرف دیکھا اور بولا۔

''میرا عمل یہ ہے کہ میں دن میں ستر مرتبہ قرآن حکیم پڑھتا ہوں۔''

بایزید کے دل میں خیال آیا ''دل تو تسلیم نہیں کرتا کہ یہ شخص دن میں اتنی دفعہ قرآن پڑھ لیتا ہوگا کیونکہ بظاہر تو ایسا کرنا ممکن نہیں البتہ خیال میں یہ شخص پڑھ لیتا ہوگا۔''

اُس ولی نے تیسری مرتبہ پھر مڑ کر بایزید کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ ''میں قرآن

Marfat.com

مجید کو خیال میں نہیں پڑھتا بلکہ لفظاً اور عبارتاً پڑھتا ہوں۔''

حضرت نور محمد کلاچوہیؒ قرآن مجید کی تلاوت کی اہمیت اور اس واقعہ کو اس لیے نسبت دیتے ہیں تاکہ عام بندوں کو پتہ چلے کہ اولیاء کرام بھی اللہ کی عنایات اُس کے کلام کی برکت سے حاصل کرتے ہیں۔

حضور نور محمد فرماتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں طور پر باطن میں واردات غیبی اور فتوحات کا نزول ہوتا ہے۔ صرف ان میں مراتب اور درجات کا فرق ہوتا ہے۔ ولی کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باطنی القا ہوتے ہیں۔ انہیں الہام کیا جاتا ہے جب کہ نبی کے دل پر باطنی القاء کو وحی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ولی کی خوارق کو کرامات کہتے ہیں لیکن ایسے خوارق کو معجزات کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بنی کی اللہ تعالیٰ اور اس کے آسمانوں، عرش و کرسی کی طرف باطنی پرواز کو معراج کہا جاتا ہے لیکن ولی کے باطنی صعود اور عروج کو باطنی طیر سیر کہا جاتا ہے۔ الغرض نبی اور ولی کے باطنی کمالات اور روحانی مشاہدات میں ہر طرح کی پوری مماثلت اور تمام مشابہت پائی جاتی ہے۔

نبی اور ولی کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے باطنی لطائف زندہ ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں زندہ اور تابندہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو اس پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ انہیں مادے کی کثیف ظلمت سے نکال کر عالم غیب کی لطیف نوری دنیا میں داخل کر دیتا ہے۔

اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ اس دارِ فانی سے آخرت کے دارِ جاودانی کی طرف نقل مکانی اختیار کر لیتے ہیں قبروں میں ان کا تصرف قائم رہتا ہے اور دنیا کی نسبت دارِ آخرت میں اُن کی روحانی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بزرگوں اور اولیاء کے مزارات جب کبھی کسی عام شاہراہ، ریلوے لائن، نہر وغیرہ یا

Marfat.com

سرکاری عمارت کی زد میں آجائیں اور سرکاری افسران نے اپنی سڑک سیدھی رکھنے کے لیے کسی قبر کو مٹانے کا ارادہ کیا تو ان بزرگوں نے اپنے باطنی تصرف اور روحانی طاقت سے ان افسران کو ایسی ڈانٹ دی کہ وہ فوراً اُس کام سے باز آگئے ورنہ وہ خود مٹ گئے۔

چنانچہ ان مزارات کے مقامات پر بعض سڑکوں، نہروں، بازاروں اور قلعوں کی دیواروں میں ایسے موڑ، اور خم آج تک موجود ہیں کہ ان قبروں کو صحیح سلامت چھوڑ دیا گیا ہے، یہ صورت حال صاف طور پر زبانِ حال سے بتا رہی ہے کہ ان مادی اور نفسانی حکمرانوں کو باطنی اور روحانی حکمرانوں کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔

حضرت بیان فرماتے ہیں کہ ایک بااختیار حاکم نے کسی ولی اللہ کی قبر مبارک اُس کے مقام سے ہٹانا چاہی کیونکہ وہ اس جگہ پر محل تعمیر کرنا چاہتا تھا اور وہ قبر اس کے محل کی زیبائش وتزئین میں بدصورتی پیدا کرتی تھی اُس نے جعلی مولویوں سے فتویٰ لے کر قبر گرانا چاہی۔ رات کے وقت اُس کو خواب میں ایسے عذاب سے دوچار کیا گیا کہ وہ ساری عمر کے لیے مفلوج الدماغ ہوگیا۔ اُسی کی سُدھ بدھ عنقا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سے جو محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی دوستی ومحبت کا پورا پورا حق ادا کرتا ہے۔

جیسے ایک مشہور واقعہ ہے کہ اورنگ زیب بادشاہ کا ایک بیٹا باغی ہوگیا اور ایک راجہ کے پاس جا کر رہنے لگا۔ اور حکمران باپ کے خلاف سازشیں کرنے لگ گیا۔ اورنگ زیب کو جب اپنے بیٹے کی کارستانیوں کا علم ہوا تو وہ چند سپاہی لے کر اس راجہ کے علاقے میں سیروشکار کے بہانے جانکلا اور اپنے سپاہیوں کو ایک جگہ کھڑا کر کے خود راجہ کے محل کے قریب ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں سے ایک پروانہ اس راجہ کے نام لکھ کر بھیجا کہ میں ایک ضروری کام سے تمہارے علاقے میں آیا ہوں اور تمہارے ساتھ چند ضروری باتیں کرنے کا خواہش مند ہوں۔ اس وقت فلاں مسجد میں تمہارا منتظر ہوں۔"

Marfat.com

راجہ نے جب اورنگ زیب کا بھیجا ہوا پروانہ پڑھا تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ حیرت سے دم بخود رہ گیا۔ اسی وقت مع ارکان، سلطنت کی طرف پاپیادہ روانہ ہوگیا۔ جب اس کی نظر بادشاہ کے چہرے پر پڑی تو خوف اور ہراس سے کانپنے لگا۔ مسجد میں داخل ہوکر بصد ادب و احترام بادشاہ کے سامنے کورنس بجالایا۔

دست بستہ بادشاہ کے سامنے مع تمام ارکانِ حکومت کھڑا ہوکر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ بادشاہ نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس وقت گرمی کا موسم تھا۔ بادشاہ کا لباس پسینے سے شرابور تھا۔ بادشاہ نے اُسے اپنی قمیض کے بٹن کھولنے کے لیے کہا۔ راجہ کے ہاتھ مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ گردن کے ساتھ والے بٹن کو نہ کھول سکا۔ پھر بادشاہ نے اپنا خنجر جو اس وقت اسکے پاس تھا۔ راجے کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ وہ اس خنجر سے بٹن کاٹ ڈالے۔ اب چونکہ معاملہ پہلے سے بھی خطرناک اور نازک صورت اختیار کرگیا تھا کہ ادھر تیز خنجر اور ادھر بازشاہ کے نازک گلو کے متصل بٹن کاٹنے کا حکم راجہ کے چہرے پر مارے خوف کے ہوائیاں اُڑنے لگیں کئی دفعہ کوشش کی لیکن خنجر ہاتھ سے گر پڑا۔ آخر عرض کی۔

''جہاں پناہ! یہ غلام حضور کی اس خدمت سے قاصر ہے۔''

بادشاہ نے خنجر واپس لے لیا اور اس راجہ سے کہا۔ ''اے ناداں بنیئے! اورنگ زیب اس وقت اکیلا بے یار و مددگار اور بغیر فوج و سپاہ تیری مملکت میں بیٹھا ہے۔ اُس کا خنجر تیرے ہاتھ میں اس کا گلا تیری انگلیوں میں اور باوجود اس کے حکم اور فرمائش اور اپنی بار بار کوشش کے تو میری قمیض کا بٹن نہیں کاٹ سکا۔ چہ جائیکہ تو میرے لڑکے کے ساتھ مل کر میرے قتل کے منصوبے بنا رہا ہے۔ یاد رکھ ہمارے اوپر اللہ کا سایہ ہے۔ ہم خدا کے مقرر کردہ ہیں جب تک ہم خدا اور اُس کے رسولؐ کے احکام کی بجا آوری کرتے رہیں گے اور اولیاء اللہ کی خدمت بجالاتے رہیں گے تم جیسے دنیا دار ہمارا کچھ

Marfat.com

بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

حضرت فرماتے ہیں۔"یہ حال اُن بادشاہوں کا تھا جو ظل اللہ تھے اور حقیقی وارث الارض اولوالا اولیاء سایہ فگن تھے اور جو ہر حال ظاہر و باطن ان کے ہمراہ پشت پناہ تھے۔"

روحانی توجیہہ

حضرت نور محمد کلاچی فرماتے ہیں کہ اللہ اُن لوگوں کا دوست ہوتا ہے جو اللہ تعالٰی پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اس قول کی یوں روحانی توجیہہ فرماتے ہیں:

راسخ العلم

سوال: راسخ العلم کسے کہتے ہیں۔ آدمی علم میں کس طرح راسخ ہوسکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: وہ لوگ جو علمی اعتبار سے مستحکم ذہن رکھتے ہیں یعنی ایسا ذہن جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، ایسا ذہن جو شیطانی وسوسوں سے پاک ہے، ایسا ذہن جس کے اندر کثافت اور علمی آلودگیاں نہیں ہیں۔ علمی کثافت اور علمی آلودگی سے مراد یہ ہے کہ اس علم سے بندوں کو تکلیف پہنچے۔ جس کو عرفِ عام میں تخریب کا علم کہا جاتا ہے اور یہ لوگ جو علمی اعتبار سے ایسی مسند پر قیام فرما ہیں۔ جس پر شکوک وشبہات کی چھاپ نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ ہر چیز جس کی دنیا میں خواہ کوئی بھی حیثیت ہو، چھوٹی ہو، بڑی ہو، راحت ہو، تکلیف ہو ہر یز اللہ کی طرف سے ہے۔ اس آیت مبارکہ میں مختصراً دو رُخوں کا تذکرہ اس طرح ہے کہ کچھ لوگ ہیں جو راسخ فی العلم ہیں اور ان لوگوں کا کہنا یہ ہے یا ان لوگوں کی طرز فکر یہ ہے کہ یہ

Marfat.com

بات ان کے مشاہدے میں ہتی ہے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے، جو ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے اس کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہے اسی طرح اس چیز کا، اس عمل کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ فلسفیانہ طرز فکر کو نظر انداز کرتے ہوئے عامیانہ سطح پر ہم اس بات کو چند مثالوں میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

طرز فکر کے بارے میں یہ بات واضح طور پر سامنے آچکی ہے کہ زندگی کا ہر عمل اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے اس حیثیت میں معانی پہنانا دراصل طرز فکر میں تبدیلی ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہر چیز جس کا وجود اس دنیا میں ہے یا آئندہ ہوگا وہ لوح محفوظ پر لکھی ہوئی ہے یعنی دنیا میں کوئی چیز اس وقت تک موجود نہیں ہوسکتی جب تک کہ پہلے سے لوح محفوظ پر موجود نہ ہو۔ کوئی آدمی اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے لوح محفوظ پر موجود ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز سے اس لیے گزرتا ہے کہ زندگی کے نشیب اس بات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ مظہر کا تعلق، ہر وجود کا تعلق، ہر عمل کا تعلق، ہر حرکت کا تعلق لوح محفوظ سے ہے۔ اس لیے وہ برملا اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اس اعلان کے ساتھ ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے لیے جو کچھ متعین کر دیا ہے وہ ضرور ملے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نظروں کے سامنے یہ بات بھی آجاتی ہے کہ ہمارے لیے لوح محفوظ پر اتنا سرمایہ یا اتنے وسائل مخصوص کر دیئے گئے ہیں بالکل اس طرح جیسے کسی آدمی کو یہ معلوم ہو کہ بینک میں میرے نام ایک کروڑ روپیہ جمع ہے چونکہ مظاہراتی طور پر یہ بات اس کے یقین میں ہے کہ میرے نام سے ایک کروڑ روپیہ جمع ہے وہ اس بات سے مطمئن رہتا ہے۔ راسخ فی العلم لوگ چونکہ لوح محفوظ کے نقوش کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس لیے وہ کسی تکلیف کو یا کسی بے آرامی کو عارضی تکلیف یا عارضی کمی

Marfat.com

سمجھتے ہیں اوراس مشاہدے کے بعد ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوجاتی ہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے جونعمتیں مخصوص کردی ہیں وہ ہمیں ہرحال میں میسر آئیں گی اور یہ یقین ان کے اندر استغناء پیدا کردیتا ہے۔ استغناء بغیر یقین کے پیدانہیں ہوتا اور یقین بغیر مشاہدے کے تکمیل نہیں پاتا اور جس آدمی کے اندر استغناء نہیں ہے اس آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کم اور مادیت سے زیادہ رہتا ہے۔ تصوف یا روحانیت دراصل ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغناء ہو۔ استغناء کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر توکل ہو۔ توکل کو مستحکم کرنے کے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہواورایمان کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر وہ نظر کام کرتی ہو جونظر غیب میں دیکھتی ہے بصورت دیگر کسی بندے کوکبھی سکون میسرنہیں آسکتا۔ آج کی دنیا میں عجیب صورت حال ہے کہ ہر آدمی دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے، ہر آدمی دولت کے انبار اپنے گرد جمع کرنا چاہتا ہے اور یہ شکایت کرتا ہے دن اور ماہ وسال کے وقفے لوح محفوظ پر موجود ہیں۔ ایہ الگ بات ہے کہ ان وقفوں میں ٹائم کی حیثیت کیا ہے؟ ایک آدمی جب عاقل بالغ اور باشعور ہوتا ہے تو اس کی زندگی گزارنے کے لیے وسائل کی ضرورت پیش آتی ہے اور وسائل کو حاصل کرنے کے لیے روپیہ پیسہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ بات کچھ اس طرح ہے کہ ایک آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ روپے متعین کیے اور وہ ایک لاکھ روپے لوح محفوظ پر لکھے گئے۔ جس طرح ایک لاکھ روپیہ کسی بینک میں جمع کردیا جاتا ہے اسی طرح ایک لاکھ روپیہ پہلے سے لوح محفوظ جمع ہے۔ وسائل کو استعمال کرنے کے لیے آدمی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے جیسے جیسے کوشش اور جدوجہد کامیابی کے مراحل طے کرتی ہے۔ اس کو روپیہ ملتا رہتا ہے اور ضروریات پوری ہوتی رہتی ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر لوح محفوظ پر اس

Marfat.com

کے حصہ کا زر مبادلہ متعین نہ ہو تو اسے اس دنیا میں کچھ نہیں مل سکتا۔ ایک طرز فکر یہ ہے کہ آدمی باوجود اس کے کہ ضمیر ملامت کرتا ہے اپنی روزی کو حرام طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ دوسرا آدمی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ روزی حلال ہو۔ رزق حلال بھی وہ دو روٹی کھاتا ہے اور رزق حرام سے بھی وہ شکم سیری کرتا ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اس دنیا میں اسے جو کچھ مل رہا ہے وہ لوح محفوظ سے مل رہا ہے اور لوح محفوظ میں وسائل اس کے لیے پہلے سے متعین ہیں۔ ایک آدمی محنت مزدوری کر کے ضمیر کی روشنی میں روپیہ حاصل کرتا ہے...... دوسرا آدمی ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے روپیہ حاصل کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اسے اتنا ہی روپیہ مل رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اس کے لیے جمع کر دیا ہے۔ اس لیے کہ جب تک لوح محفوظ پر کوئی چیز نقش نہیں ہوتی دنیا میں اس کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے اور انتہائی درجہ نادانی اور بے وقوفی ہے کہ آدمی اپنی ہی چیز کو حرام کر دیتا ہے۔ قانون یہ ہے کہ جو چیز لوح محفوظ پر نقش ہو گئی اس کا مظاہرہ لازم بن جاتا ہے...... راسخ فی العلم لوگ کہ سکون نہیں ہے، سکون نہیں ہے۔ سکون ہرگز کوئی عارضی چیز نہیں ہے۔ سکون ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو یقینی ہے اور جس کے اوپر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ ایسی چیزیوں سے جو چیزیں عارضی ہیں، فانی ہیں اور جن کے اوپر ہماری ظاہرہ آنکھوں کے سامنے بھی موت وارد ہوتی رہتی ہے ان سے ہرگز سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ مراقبہ اس سلسلے میں ایک ایسی کوشش ہے جس کوشش کے اوپر یہ طرزیں متعین ہیں کہ آدمی فانی اور مادی چیزوں سے اپنے ذہن کو ہٹا کر حقیقی اور لافانی چیزوں میں تفکر کرے۔ یہ تفکر جب قدم قدم چلا کر غیب کی دنیا میں کسی بندے کو پہنچاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ہی یقین کی کرن دماغ میں پھوٹتی ہے وہ نظر کام کرنے لگتی ہے۔ جو نظر غیب کا مشاہدہ کرتی ہے غیب میں مشاہدے کے

Marfat.com

بعد کسی بندے پر جب یہ راز منکشف ہوجاتا ہے کہ ساری کائنات کی باگ ڈور ایک واحد ہستی کے ہاتھ میں ہے تو اس کا تمام تر ذہنی رجحان اس ذات پر مرکوز ہوجاتا ہے اوراس مرکزیت کے بعد استغناء کا درخت آدمی کے اندر شاخ درشاخ پھیلتا رہتا ہے۔

وفات

حضرت نورمحمد کلاچوہی کی تاریخ وفات کے متعلق کوئی حتمی رائے تذکرہ نگاروں نے بیان نہیں کی۔آپ نے عمر بھر دین کی خدمت کی۔

اقوال وارشادات

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت عبادت وریاضت فی نفسہ کرنے سے قرب خداوندی تصنیف ہوتا ہے۔

۲۔ انسان عمل کرنے سے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

۳۔ اولیاءاللہ، اللہ تعالیٰ کی عنایات سے اُس کے کلام میں برکت حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ ان لوگوں کا دوست ہوتا ہے جو اُس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت قمر الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۲۴ھ

وفات: ۱۴۰۱ھ

عمر عزیز: ۷۷ سال

ابتدائی حالات

حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی ضلع سرگودھا کے ایک قصبہ سیال شریف میں جمادی الاول ۱۳۲۴ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد قمر الدین رکھا گیا آپ کے والد خواجہ ضیاء الدین ایک جلیل القدر فاضل اور پیکر حریت وشجاعت تھے۔ ان کا زیادہ تر رجحان فقیری اور درویشی کی طرف تھا۔ آپ کے والد اور دادا نے آپ کو نہ صرف ظاہر علم کا ماہر بنایا بلکہ ایک مجاہد کی زندگی کے آداب بھی سکھائے۔ حضرت خواجہ سیالوی ۱۳۵۱ھ میں اپنے علوم سے فارغ ہونے کے بعد حج بیت اللہ کی زیارت کے لیے مکہ اور مدینہ گئے۔

آپ مادر زاد ولی تھے

حضرت خواجہ قمر الدین مادر زاد ولی تھے۔ بچپن سے ہی آپ میں ایسے آثار نمودار ہونے لگے جو آپ کی عظیم شخصیت کی غمازی کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب ابھی آپ صرف تین برس کے تھے۔ آپنے یہ معمول بنالیا گھر میں جو کپڑا بھی ہوتا اس کو پگڑی بنا کر سر پر باندھ لیتے تھے۔ بعض اوقات تو اپنے کپڑے سر پر باندھ لیتے کہ آپ کے ننھے سے سر پر پگڑیوں کا انبار لگ جاتا تھا۔ آپ کے اس طرز عمل کی خبر کسی

Marfat.com

طرح آپ کے دادا جان حضرت ثانی کو ہوگئی۔ اُن کی محبت کے جذبات میں جوش آ گیا۔ اُسی وقت پوتے کو بلایا اور اپنے پاس محفوظ تبرکات کے صندوق سے آپ کو جتنی دستاریں آپ کے پیر خانہ سے عطا ہوئی تھیں۔ یا حضرت شمش العارفین کے جو عمامے بطور تبرک محفوظ تھے۔ سب کے سب نکال لیے اور اپنے دستِ مبارک سے اپنے اس نونہال کے سر پر باندھ دیے۔

حضرت خواجہ قمر سیالویؒ کی عمر بمشکل چار برس کی ہوئی ہوگی جب حضرت ثانی لاثانیؒ آپ کے دادا کا وصال ہوگیا۔ آپ کی تربیت کی ذمہ داری آپ کے والدِ محترم خواجہ ضیاء الدین نے سنبھالی۔ جنہیں طریق شہبازی سکھانے کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی عمر جب چار سال چار ماہ اور دس دن ہوئی تو قصبہ پوہلا کے ایک حافظ کریم بخشؒ کے پاس آپ کو قرآن کریم حفظ کرنے کے لیے بٹھادیا گیا۔ اس کے بعد جید اساتذہ نے آپ کو فارسی اور حرف ونحو کی ابتدائی کتابیں بڑے شوق سے پڑھائیں اور اس جوہر قابل نے اپنے اساتذہ کے فیض کو بڑے شوق ومحبت سے قبول کیا۔

روح پرور واقعات

حضرت خواجہ کو عیسائیت کے علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ آپ نے اپنے زورِ علم اور زور بیان سے عیسائیوں کے ساتھ مباحثے اور مناظرے کیے جنمیں بڑے بڑے عیسائی زعماء وعلماء کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی۔

ایک دفعہ حضرت خواجہؒ کو اطلاع ملی کہ سلانوالی کے علاقہ میں پادری براؤن (Brown) نے قیامت برپا کررکھی ہے۔ اس نے ایک کیمپ قائم کررکھا ہے۔ وہاں سے ہر روز آکر بازار اور سڑکوں پر اپنی اسٹیج لگاتا ہے۔ عوام کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ اُس کے پاس جمع ہوجاتے ہیں اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام پر بے سروپا اعتراضات کی بوچھاڑ کرتا رہتا ہے۔

Marfat.com

سلاں والی، سیال شریف سے کوئی بارہ چودہ کوس کے فاصلے پر ہے۔ آپ اطلاع ملتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر سلاں والی روانہ ہو گئے اور اس پادری کے کیمپ میں پہنچ گئے اور اس کو مناظرے کا چیلنج دیا جو اُس نے قبول کر لیا۔

آپ نے پہلی تقریر میں ہی بائیبل کی تعریف کے موضوع پر مدلل تقریر کی۔ بائیبل سے حوالہ جات کا آپ نے انبار لگا دیا۔ پادری براؤن کو اپنے علم اور طاقت...... پر بڑا گھمنڈ تھا، لیکن آپ کی مدلل اور پر زور تقریر سے اس کے حواس یوں باختہ ہو گئے کہ اس نے بائیبل کو زمین پر پٹخ دیا اور یہ کہتا ہوا میدانِ مناظرہ سے بھاگ گیا۔ کہ واقعی ہماری کتابیں خراب ہو گئیں ہیں۔ اس طرح حضرت کی ایک ہی مجاہدانہ ضرب سے اس سامری کا سارا طلسم پاش پاش ہو گیا۔

ایک مرتبہ آپ کو رائفل کا لائسنس بنوانا مقصود تھا جس کے لیے آپ نے درخواست دی۔ ضلع سرگودھا کا ڈپٹی کمشنر ایک انگریز تھا۔ اُس نے آپ کی درخواست کے جواب میں آپ سے استفسار کیا۔

''آپ نے جو خدمات انگریزی سرکاری کے لیے انجام دیں وہ لکھ بھیجیں تا کہ اُن خدمات کی روشنی میں آپ کو لائسنس جاری کیا جائے۔''

حضرت خواجہ نے ڈی سی کو لکھ بھیجا۔

''شاید آپ خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سیالوی کے نام اوران کے کارناموں سے واقف ہوں گے میں اُنہیں کا فرزند ہوں۔ جس قسم کی خدمات انہوں نے سرکارِ انگلشیہ کے لیے انجام دی ہیں انہیں خدمات کی آپ مجھ سے بھی توقع رکھیں۔''

جواب ارسال کر کے خواجہ صاحب مطمئن تو ہو گئے مگر رائفل کے لائسنس کا خیال آپ کو دل سے نکالنا پڑا کیونکہ ایسی صورتِ حال میں انگریز ڈی سی کس طرح

Marfat.com

لائسنس جاری کرسکتا تھا۔ اُسی رات خواب میں آپ کی ملاقات اپنے والد خواجہ ضیاء الدینؒ سے ہوئی انہوں نے فرمایا۔

''قمر الدین! آپ مایوس مت ہوں۔'' پھر ایک کمرے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس کمرے میں رائفلوں کا انبار لگا دیا گیا ہے ان میں سے جو آپ کو پسند ہو وہ چن لیں۔''

اس واقعہ سے صرف چند روز کے بعد بغیر کسی کاوش وسعی کے آپ کو رائفل کا لائسنس جاری کردیا گیا۔

حضرت خواجہ سیالویؒ کو ذکاوت اور لطافت طبع سے بھی قدرت نے مالا مال کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت علامہ معین الدین اجمیریؒ جو حضرت خواجہ کے استاد محترم بھی تھے۔ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ باتوں کے دوران انہوں نے اپنی عینک اُتار کر رکھی اور بھول گئے جب انہیں عینک کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے عینک تلاش کرتے ہوئے فرمایا۔

''میری عینک کہاں ہے؟''

حضرت خواجہ سیالویؒ نے برجستہ فرمایا۔

''استاد محترم! فِیۡ مَابَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکَ (یعنی میرے اور آپ کے درمیان رکھی ہوئی ہے) اس جواب سے علامہ اجمیری بہت محظوظ ہوئے اور ایک مدت تک یہ لطیفہ اپنے احباب کو سناتے رہے۔

روحانی توجیہہ

حضرت قمر الدین سیالوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر محیط ہے۔ میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اس قول کی روحانی توجیہ کچھ اس طرح فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ان سارے ارشادات میں یہ بات پوری طرح واضح کردی گئی کہ اللہ کا علم لا محدود اور لا متغیر و لامتناہی اس لیے ہے کہ یہ علم ٹائم اسپیس کی حد بندیوں سے ماورا ہے۔ ان ارشادات سے یہ بات بھی منکشف ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنانے کا ارادہ کیا تو فرمایا کن اور کائنات وجود میں آگئی۔ اس بات کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ کائنات دراصل اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ چوں کہ علم کا مظاہرہ ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم نے کائنات کے خدوخال کا روپ اختیار کیا ہے اس لیے پوری کائنات بھی بجز علم کے کوئی اور حیثیت نہیں رکھتی۔ علم کی حیثیت زیادہ ہو یا قلیل، بہرحال وہ علم ہے۔ اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سمندر کے پانی کا ایک قطرہ بہرحال سمندر ہے۔ سمندر سے لیے ہوئے ایک قطرہ آب کو پانی کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ چوں کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے مظاہرہ ہے اس لیے کائنات کی حقیقت کائنات کی بنیاد اور کائنات کی ہیئت سوائے علم کے کچھ نہیں ہے۔ جب ہم عالم ناسوت میں بند زندگی کا تجربہ کرتے ہیں اور زندگی کے غوروفکر کرتے ہیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ساری زندگی علم کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور علم اس وقت علم ہے جب اس کے اندر معانی اور مفہوم موجود ہوں۔ علم کے اندر معانی اور مفہوم کی ایک طرز یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیارات سے علم کے اندر معنی پہناتا ہے اور علم کے اندر اصل مفہوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہے۔ بظاہر کائنات میں غور کرنے سے عجیب قسم کی پریشانی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کیا ہے کہ جس نظام میں زیادہ تر تکلیف و جراحت ہے مثلاً کوئی آدمی کھائے بغیر نہیں رہ سکتا، ہر آدمی سونے پر مجبور ہے۔ اتنی بندشیں ہیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں۔ علم کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود علم سے الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا کہ اے آدمی! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور خوش ہو کر کھاؤ جہاں سے دل

Marfat.com

چاہے۔ جنت ایک ایسی بستی ہے کہ جس کے رقبے کی حدود کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی اس کی حدود لا متناہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ خوش ہو کر کھا جہاں سے دل چاہئے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ آدم کو اللہ نے لامحدود جنت کے رقبے پر تصرف عطا کر دیا تھا۔ بالفاظ دیگر آدم جنت کے لامحدود رقبے پر بلا شرکت غیر مالک تھے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ یہ درخت ہے اس کے قریب مت جانا۔ اور اگر تم نے ہمارے اس حکم یا ہدایت پر عمل نہیں کیا تو تم اپنے اوپر ظلم کرو گے۔

جنت لامحدود رقبہ ہے۔ اس میں لاتعداد اور لاشمار درخت ہیں۔ ایک مخصوص درخت کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کر کے آدمی کو ہدایت کرتے ہیں کہ اس درخت کے قریب مت جانا۔ آدم نے نافرمانی واقع ہوئی اور اس نافرمانی کے جرم میں جنت کی فضا نے آدم کو رد کر دیا۔ اور آدم جس سرزمین کے بلاشرکت غیرے مالک تھے وہ زمین ان سے چھین لی گئی۔ اس واقعہ کا نقشہ کچھ اس طرح بنتا ہے۔ ایک بہت وسیع و عریض باغ ہے۔ باغ کے پھل پھول، پودوں، نہروں، آبشاروں وغیرہ پر آدم کو پورا پورا تصرف حاصل ہے۔ باغ کے اندر صرف ایک درخت ایسا ہے جس پر اُسے تصرف تو حاصل ہے لیکن اس تصرف کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب تک آدم سے نافرمانی کا ارتکاب نہیں ہوا آدمی کے لیے جنت کا وسیع رقبہ (Time and Space) سے آزاد رہا اور جب آدم نے نافرمانی سرزد ہوگئی تو آدم کے اندر زمان و مکان کی حد بندیاں ظاہر ہوگئیں۔ اس درخت کے بارے میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ گیہوں کا درخت تھا۔ کوئی کہتا ہے سیب تھا۔ کسی مذہب و مسلک کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ درخت انگور کا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس، مختلف باتیں کہتے ہیں۔ لیکن قرآن نے اس کا کوئی نام نہیں رکھا۔ صرف درخت کے نام سے یاد کیا ہے۔ روحانی نقطۂ نظر سے جب لاشعوری واردات و کیفیات میں اس درخت کا مشاہدہ کیا

Marfat.com

جاتا ہے تو دراصل یہ ایک طرزِ فکر کا سمبل ہے۔

جنت میں ہو یہ رہا ہے کہ جو کچھ جنت میں موجود ہے وہ دروبست آدمی کے ارادے کے تابع ہے۔ آدمی کا دل چاہا کہ وہ سیب کھائے۔ جنت میں سیب کا درخت بھی ہے اس پر سیب لگے ہوئے بھی ہیں۔ لیکن سیب کا توڑنا وہاں زیرِ بحث نہیں آتا۔ سیب کھانے کو دل چاہا اور سیب موجود ہوگیا۔ پانی پینے کو دل چاہا اور پانی موجود ہوگیا۔ اس طرز فکر سے تصرف کی دو طرزیں سامنے آتی ہیں۔ تصرف کی ایک طرزِ فکر یہ ہے کہ ایک بندہ سیب کا درخت لگاتا ہے۔ اس کی نشوونما کا انتظار کرتا ہے طویل عرصے کے بعد سیب کا درخت اس قابل ہوجاتا ہے کہ اس کے اوپر پھل لگے۔ اس کے اندر سیب کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ درخت کی طرف چلتا ہے اور درخت پر سے سیب توڑ کر کھالیتا ہے۔ تصرف کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کہ سیب کے درخت پر سیب لگے ہوئے ہیں۔ اس درخت کو نہ کسی بندے نے زمین میں بویا ہے، نہ اس کی نگہداشت کی ہے، نہ اس درخت کو پروان چڑھانے میں کوئی خدمت انجام دی ہے اور نہ اسے درخت پر سے سیب توڑنے کی زحمت کرنا پڑتی ہے۔ دل چاہا کہ سیب کھاؤں اور سیب موجود ہوگیا۔ اس میں ایک بہت باریک نکتہ بیان ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارادے میں یہ بات موجود تھی کہ کائنات وجود میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ''کن'' کائنات وجود میں آجا۔ کائنات بن گئی۔ جنت کی زندگی میں آدم کے دماغ میں یہ بات موجود تھی کہ وہ سیب کھائے۔ آدم نے کہا سیب اور سیب موجود ہوگیا۔ کن کہنے سے کائنات بن گئی سیب کہنے سے سیب مل گیا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی ذات کے لیے اَحْسَنُ الْخَالِقِین کہہ کر بیان کیا ہے کہ میں تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ بھی مخلوق کو تخلیق کرنے کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انسانی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں حد

Marfat.com

فاضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وسائل کے بغیر محض علمی بنیاد پر تخلیق فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جو کچھ تھا، اس کے بارے میں، کن، کہہ کر ان تمام چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانا چاہتے تھے تخلیق کر دیا۔ آدم کے اندر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جو تخلیقی صلاحیتیں کام کر رہی ہیں وہ وسائل کی محتاج ہیں۔ جب تک کوئی بندہ ان تخلیقی صلاحیتوں کو زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد رہ کر استعمال کرتا ہے وہ سب جنت کی زندگی ہے اور جب کوئی بندہ ان تخلیقی صلاحیتوں کو زمان و مکان کی حد بندیوں کے اندر اور وسائل کے اندر بند کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ جہالت اور ظلم ہے۔ جس طرح عقل و شعور اور دانائی ایک درخت کی طرح پھلتی پھولتی یعنی علم کے اندر طرح طرح کی شاخیں پھوٹتی ہیں، نئے نئے فلسفوں کی داغ بیل پڑھتی ہے، طرح طرح کی ایجادات ہوتی ہیں، اسی طرح ظلم و جہالت کے درخت پر بھی پھول پتے اور شاخیں اُگتی ہیں۔ لیکن چوں کہ بنیاد ظلم اور جہالت پر ہوتی ہے اس لیے آدمی ان ساری ایجادات اور ترقیوں سے خوش ہونے کی بجائے ناخوش ہوتا ہے۔ پرسکون ہونے کی بجائے بے سکون ہو جاتا ہے۔ مطمئن ہونے کی بجائے غیر مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی روشنی میں جب ہم موجودہ سائنسی ترقیوں کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس ترقی میں وہ تمام چیزیں ملتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ظلم اور جہالت کے نام سے بیان فرمایا ہے۔ آج کی ترقی پوری نوع انسانی کے لیے ایک عذاب بن گئی ہے۔ ہر شخص غیر مطمئن اور بے سکون ہے۔ دنیا کے اس کونے سے اُس کونے تک عدم تحفظ کا اژدھا منہ کھولے ہوئے پوری نوعِ انسانی کو نگلنے کے لیے بے قرار ہے۔ حالانکہ جہاں تک ترقی کا معاملہ ہے یہ ساری ترقیاں، یہ ساری ایجادات، یہ ساری تخلیقات اس خیال کے تحت وجود میں آئی ہیں کہ نوع انسانی کو سکون ملے گا لیکن چوں کہ یہ تمام چیزیں (Time and Space) میں بند ہو کر

Marfat.com

معرض وجود میں آئی ہیں اس لیے آدمی بدحال اور پریشان ہے۔ جنت کی زندگی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب آدمی نے اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایت کو پس پشت ڈال دیا تو وہ مصائب اور آلام میں گرفتار ہو گیا۔ قرآن پاک میں ہے۔ ''اتر جاؤ! اب تمہارے اوپر ذلت اور مسکنت کی مار ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے علم کا عکس

سوال: اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات کا کیا علم تھا؟

جواب: کائنات اور کائنات میں موجود تمام تخلیقات، تخلقیات میں تمام نوعیں اور ہر نوع کے الگ الگ افراد، افراد کا پھیلنا اور سمٹنا، پیدائش کا تسلسل اور موت کا وارد ہونا، زمین اور سماوات، سورج، چاند، ستارے، بے شمار کہکشانی نظام، جنت، دوزخ اور جنت دوزخ کے اندر زندگی گزارنے کے تمام حواس اور تقاضے، حواس میں ردو بدل اور رد و بدل کے ساتھ حواسی میں کمی بیشی، ذہنی رفتار کا گھٹنا یا بڑھنا، حواس کا الگ الگ تعین...... سننا، دیکھنا، چھونا، چکھنا، محسوس کرنا، جسمانی خدوخال کا الٹ پلٹ ہونا، جذبات میں، اشتعال پیدا ہونا یا کسی بندے، کسی ذی روح کا نرم خو ہونا۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود علم کا عکس ہیں۔

کائنات میں موجود کوئی ایک شئے...... اس کی حیثیت کسی بڑے سے بڑے ستارے (Star) کی ہو یا زمین کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے (Atom) کی ہو، اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذہن کے اندر اس خوبصورت دنیا کو مظہر بنانا چاہا تو فرمایا ''کن'' اور کائنات میں موجود تمام چیزیں من وعن اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھیں۔

وفات

۱۲ جولائی ۱۹۸۱ھ کو حضرت خواجہ سرگودھا سے چند میل دور پل گیارہ پر

Marfat.com

ٹریفک کے ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہوگئے۔ آپ کو فی الفور سرگودھا کے ہسپتال میں داخل کیا گیا مگر وہاں آپ کی حالت بہتر نہ ہوسکی۔ پھر آپ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال لاہور لایا گیا۔ جہاں آپ ۲۰ جولائی ۱۹۸۱ء بمطابق ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ اپنے خالق و مالک حقیقی سے جاملے۔ آپ کو سیال شریف میں آپ کے نامور والد گرامی حضرت خواجہ ضیاء الملک کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

قول وارشادات

۱۔ حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی دنیا اور آخرت کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

۲۔ ایک درویش کی زندگی عظمتوں اور رفعتوں کے سامنے شاہی جاہ جلال کچھ بھی نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو ہر چیز پر محیط ہے۔

Marfat.com

مخدوم حسام الدین ملتانی

پیدائش: ۶۳۹ھ

وفات: ۷۳۵ھ

عمر عزیز: ۹۶ سال

ابتدائی حالات

مخدوم حسام الدین ملتانی کا اصل نام شیخ عثمان تھا۔ آپ کی نسبت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے۔ آپ ۶۳۹ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان والوں نے ہندوستان میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کے خاندان میں کئی بزرگ تصوف پر عبور رکھتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء

آپ کا بیعت کا واقعہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ایک محفل میں جس میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تشریف فرما تھے۔ ایک شخص بلند آواز میں پکارنے لگا کہ اس محفل میں شیخ عثمان نام کے کوئی صاحب تشریف فرما ہیں تو وہ فوراً میرے پاس تشریف لائیں تاکہ ان کو حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس وقت شیخ عثمان ایک کونے میں بیٹھے تھے۔ اعلان کرنے والے نے تین مرتبہ بار بار یہی اعلان کیا۔ مگر آپ یہ بات سوچتے رہے کہ شاید اس محفل میں شیخ عثمان کوئی اور ہے۔ مگر جب دوبارہ اعلان ہوا تو آپ اٹھے اور لبیک کہہ کر بتایا کہ میں ہی شیخ عثمان ہوں۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کے خادم خاص خواجہ

Marfat.com

رضی نے کہا کہ حضرت اتنی آواز دینے کے باوجود آپ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ اس پر شیخ عثمان نے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ شاید اس نام کا کوئی اور آدمی یہاں نہ ہو اب جب میری تسلی ہوگئی تو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ رہا ہوں کہ جس کو محبوب الٰہی نے یاد فرمایا ہے۔

خواجہ رضی شیخ عثمان کو حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شیخ عثمان ہم تمہارے منتظر تھے اور تیری آمد کا مقصد جاننا چاہتے ہیں۔ شیخ عثمان نے جواب دیا کہ حضور آپ کی قدم بوسی اور دائمی غلامی چاہتا ہوں۔ اس پر محبوب الٰہی نے فرمایا تو نے اتنی دیر ہمیں انتظار میں رکھا۔

حضرت محبوب الٰہی نے اس وقت شیخ عثمان کو بیعت کیا اور اپنا مرید کرلیا۔

شیخ عثمان اپنے مقدر کی یاداوری پر بہت خوش ہوئے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ خدا ان کو اتنی جلدی اتنے اعلیٰ اور ارفع مقام عطا فرمائے گا۔ واقعی ایسی سعادتیں خدا ہی عطا فرماتا ہے۔

حج اکبر کی ادائیگی

مرید ہونے کے بعد آپ کے مرشد کریم محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء نے آپ کو حج کی ادائیگی کیلئے مکہ شریف جانے کا حکم دیا اور آپ بلا چون و چرا حج کیلئے روانہ ہوگئے۔ نہ سفر کی تیاری اور نہ زادراہ صرف توکل اللہ اور مرشد کریم کا حکم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ منزلیں خود بخود طے ہوتی گئیں۔ سفر کی صعوبتیں خود بخود دور ہوتی گئیں۔ آپ خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ آپ نے غلاف کعبہ کو تھام کر خدا سے عرض کیا کہ میرے مالک، میرے ظاہر و باطن سے تو واقف ہے۔ میری طلب کو تو جانتا ہے میں تجھ سے تجھ کو مانگتا ہوں۔ تو میرے لیے جو کچھ بہتر ہے وہ مجھے عطا فرما دے۔ آپ نے مسجد الحرام میں بڑی عبادات اور ریاضت کی اور دل کھول کر خدا سے

Marfat.com

دعائیں مانگیں۔

دل پرسکون ہوتو آپ نے مرشد کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا اور پھر آپ دہلی کیلئے روانہ ہوگئے۔

حسام الدین نام کی وجہ تسمیہ

حج سے واپسی پر جب آپ اپنے مرشد کریم حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بتایا کہ حضور آقا کے روضے سے واپس آنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ طبعیت اس وجہ سے نہایت آزردہ اور بے قرار تھی۔ آپ کے مرشد کریم نے سر پر دست شفقت پھیرا اور اس دن آپ کو حسام الدین کا لقب عطا فرمایا۔ اس دن سے آپ کا نام حسام الدین مشہور ہوگیا۔ حسام الدین اسم بامسمیٰ ثابت ہوئے۔ آپ دین کی تلوار تھے۔ آپ نے اس راہ میں اتنی ترقی اور ریاضت کی جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ مراتب عطا کیے جو صرف وہ اپنے خصوصی بندوں کو بخشتا ہے۔ آپ واقعی نبی کریم شمع مصطفیٰ ﷺ کے پروانے تھے۔ آپ کو ولایت، خلافت اور مقام بلند اللہ تعالیٰ نے خود بلا کر عطا فرمایا۔ آپ کو اپنے مرشد کریم کے ساتھ بہت زیادہ لگاؤ، حکم کی تعمیل آپ کا نصب العین تھی۔

جو لوگ اللہ کے ہوجاتے ہیں اللہ کی ساری چیزیں انکی مطیع ہوجاتی ہیں۔ زمین کی طنابیں کھینچ جاتی ہیں۔ زمان ومکان میں ماضی اور مستقبل کا خاتمہ ہوتا ہے اور یہ صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب اللہ مہربان ہوجاتا ہے۔

خرقہ خلافت

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے جس دن نصیر الدین چراغ دہلوی اور قطب الدین منور کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اس دن حسام الدین مسجد میں بیٹھے ریاضت میں مشغول تھے۔ آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے ان دونوں کی خوش بختی پر

Marfat.com

رشک کیا اور سوچا کہ میں تو اس در پر عمر بھر پڑا رہوں تو میری یہی خوش نصیبی ہوگی۔ ابھی آپ یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو خواجہ رضی نے بتایا کہ حضرت محبوب الٰہی آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ آپکو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔ خواجہ رضی نے دوبارہ حضرت کا حکم دہرایا آپ جب دربار نظامی میں پہنچے تو آپ کو اسی وقت خلافت سے نوازا گیا۔ آپ کو خرقہ خلافت عطا ہوا اور دنیا کو ترک کر دینے کا حکم ہوا۔

زندگی کے اسباق

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا احسام الدین کو اسباق دیئے، ان کی تربیت کی اور شہزادوں جیسی زندگی بسر کرائی اور ان کی شادی بھی کی۔ شادی کے بعد مولانا حسام الدین شہر سے دور ویرانے میں آباد ہونے کے متمنی تھے مگر حضرت محبوب الٰہی نے اجازت نہ دی کیونکہ اس طرح اکیلے رہنے سے شہرت ہو جاتی ہے اور شہرت عبادت میں حائل ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی کے تقاضوں کا ذکر مولانا حسام الدین نے حضرت محبوب الٰہی سے کیا اور عرض کی کہ بعض اوقات بچوں کے خورد و نوش کیلئے میرے پاس کچھ نہیں ہوتا کیونکہ میں اپنے پاس کوئی مال جمع نہیں رکھتا۔ کچھ بچوں پر خرچ کر دیتا ہوں اور کچھ آنے جانے والوں پر خرچ کر دیتا ہوں۔ کیا فاقوں سے بچنے کیلئے قرض لیا جا سکتا ہے۔ اس پر حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ تو صبر کرنا سیکھ، تدبیر درویشی کو برباد کر دیتی ہے۔ درویش نامراد رہ کر خوش رہتا ہے اور تدبیر کے نزدیک بھی نہیں جاتا ہے۔ مولانا حسام الدین بہت نادم ہوئے اس پر حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ درویش کی دو قسمیں ہیں۔ صوری درویش اور معنوی درویش۔ صوری درویش وہ ہوتے ہیں جو دَر دَر پھر کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں جب کہ معنوی درویش بظاہر عبادت میں مشغول رہتے ہیں مگر دل میں لوگوں سے مال و زر مانگنے کے متمنی رہتے ہیں۔ صوری درویش، معنوی درویش سے بہتر ہے کیونکہ اس

Marfat.com

کا ظاہر باطن ایک ہوتا ہے جب کہ معنوی درویش بظاہر حقیقی درویش ہوتا ہے مگر باطن میں دربدر مارا مارا پھرتا ہے۔

روح پرور واقعات

ایک مرتبہ مشہور بزرگ علاؤ الدین نیلی چشتی اور مولانا شمس الدین یحیٰ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں شرفِ ملاقات کیلئے حاضر ہوئے اور آپ کے حکم کے مطابق پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضری دی۔ اس کے بعد دیگر دوست حضرات سے ملاقاتیں کیں اور پھر مولانا حسام الدین اپنی کٹیا میں موجود تھے۔ اس کٹیا میں نہ ٹھکانے کی بیٹھنے کو جگہ تھی نہ کھڑکی نہ دروازہ تھا۔ یہ دونوں بزرگ جب اندر داخل ہوئے تو مولانا حسام الدین نے ایک پرانی چٹائی ان کیلئے بچھا دی اور ان کے سامنے کھانے کو کھچڑی پیش کی۔ دونوں مہمان بزرگوں نے مولانا حسام الدین کو ایک چادر دوسرے نے ایک چاندی کا سکہ پیش کیا۔ مولانا حسام الدین نے دونون چیزیں قبول کر لیں اور جب دونوں مہمان رخصت ہونے لگے تو مولانا حسام الدین نے ان سے کہا۔ میرے درویش بھائیو! میں آپ دونوں کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا آپ میری طرف سے یہ نذرانے قبول کر لیں۔ اس پر مولانا حسام الدین نے جس بزرگ نے چادر پیش کی تھی اس کو چاندی کا سکہ دیا اور جس نے چاندی کا سکہ پیش کیا اس کو چادر دے دی۔

مولانا علاؤ الدین نیلی چشتی اور مولانا شمس الدین یحیٰ جب حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے سفر کے تمام واقعات سنائے۔ جب مولانا حسام الدین کا ذکر آیا تو حضرت محبوب الٰہی نے بہت دل چسپی سے ذکر سنا اور فرمایا کہ حسام الدین سے ملاقات کا حال تفصیل سے بیان کرو۔ دونوں بزرگ چادر اور چاندی کے سکہ والا قصہ بھی سنانے پر مجبور ہوگئے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت محبوب الٰہی

Marfat.com

آبدیدہ ہوگئے اور فوراً خادم خاص خواجہ رضی کو کچھ چاندی کے سکے، کپڑے اور اپنا جانماز دے کر فرمایا کہ یہ چیزیں ابھی مولانا حسام الدین کو پہنچا دو۔ خواجہ رضی جب یہ اشیاء لے کر مولانا حسام الدین کی خدمت میں پہنچے تو مولانا حسام الدین بہت حیران ہوئے اور فرمایا میں ان چیزوں کے کہاں لائق ہوں۔ خواجہ رضی نے مولانا حسام الدین کے استفسار پر یہ بھی بتلایا کہ جب یہ اشیاء پہنچانے کا حضرت محبوب الٰہی نے حکم دیا تھا اس وقت مولانا شمس الدین یحیٰ اور علاؤالدین نیلی چشتی بھی حضرت کے پاس تھے۔ مولانا حسام الدین فوراً حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں صاحبان سے شکوہ کیا کہ آپ نے میرے حالات کی ٹوہ لے کر ان کے پیرومرشد کو بتایا۔ حضرت خود چشم مکاشفہ سے میرے حالات جان لیتے تو یہ اور بات ہوتی آپ کو اس طرح میرے متعلق نہیں بتلانا چاہیے تھا۔ دونوں نے معذرت کے ساتھ عرض کی کہ ہم جب آپ کا ذکر حضرت محبوب الٰہی سے کر رہے تھے تو انہوں نے ہمیں مجبور کر کے آپ کے پاس گزارے ہوئے ہر لحہ کی تفصیل پوچھی چنانچہ ہم مجبور ہوگئے۔ بہر حال ہم شرمندہ ہیں ہمیں معاف فرما دیں۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔

حضرت محبوب الٰہی نے مولانا حسام الدین کو حکم دیا کہ آپ دین کی تبلیغ اور خلقِ خدا کی فلاح کیلئے گجرات روانہ ہو جائیں۔ آپ نے گجرات پہنچ کر پٹن میں سکونت اختیار کی اور کپڑے کی تجارت کی۔ آپ پورے تھان پر دو گز کا منافع لیتے تھے۔ اس طرح آپ کا کپڑا فوراً فروخت ہو جاتا۔ آپ منافع سے اپنا گزر اوقات کرتے اور باقی وقت ریاضت میں گزارتے۔

آپ کا جس جگہ قیام تھا وہاں ایک مندر کا مہنت بھی رہتا تھا۔ آپ کے آنے سے اس کو بہت تکلیف ہوئی۔ وہ آپ کے خلاف ہوگیا اور درپے آزار ہوگیا۔ آپ پر نت نئی بہتان تراشی کرنے لگا، آپ نے اس کو بہت سمجھایا کہ آپ اس مخالف

Marfat.com

سے باز رہیں۔ آپ اپنا کام کریں اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں لیکن وہ مُصر تھا کہ مولانا حسام الدین پٹن سے چلے جائیں۔ دن بدن اس کی شرارتیں بڑھتی چلی گئیں مگر مولانا ہمیشہ یہی فرماتے کہ تمہاری مشکلات میرا مولا آسان کر دے گا۔ ان باتوں سے وہ مہنت بہت چراغ پا ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے مولانا حسام الدین سے کہا کہ آپ اپنی کوئی کرامت دکھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں صرف اتنا یقین رکھتا ہوں کہ میرا رب مجھے شیطان کے شر سے اپنی حفظ وامان میں رکھے گا۔ یہی میرا علم ہے اور یہی میری کرامات ہیں۔ اس پر وہ مہنت بولا میں اپنی کرامات کے زور سے آپ کو زیر کرتا ہوں آپ اپنے رب سے کہیں وہ آپ کو بچائے۔ اس پر وہ مہنت ایک سنگین تخت پر بیٹھ گیا اور تخت کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ اے تخت ذرا تو اوپر اڑ اور اس مولانا پر جوتوں کی بارش کر دے۔ تخت اوپر اڑا۔ مولانا حسام الدین نے تخت دیکھ کر فرمایا نیچے آجاؤ، تخت جس طرح اڑا تھا اسی طرح واپس آگیا۔ مہنت کی لاکھ کوششوں سے بھی تخت دوبارہ نہ اڑ سکا۔ آخر عاجز آ کر اس مہنت نے آپ کے قدموں میں سر جھکا دیا اور معذرت کا طالب ہوا۔ آپ کی اس کرامت نے آپ کو پٹن بھر میں مشہور کر دیا اور سارا شہر اور اردگرد کا علاقہ آپ کے مریدوں اور معتقدوں میں شامل ہو گیا مگر آپ نے مرشد کے حکم پر عمل جاری رکھا اور مریدوں کی تعداد حتی الامکان بہت کم رکھی۔ آپ کو حضرت محبوب الٰہی کا حکم تھا کہ کرامت استقامت ہے۔ خدا کے در پر اپنے کام میں مستقیم ہو جانا ہی کرامت ہے۔

ایک مرتبہ مولانا حسام الدین کہیں جا رہے تھے کہ آپ کے کندے پر رکھا ہوا آپ کا جائے نماز گر گیا۔ ایک شخص جو آپ کے مقام اور مرتبے سے واقف تھا آپ کو آواز دے کر جائے نماز کے متعلق کہا مگر آپ نے مُڑ کر نہیں دیکھا اس نے دوبارہ پکارا اے شیخ آپ کا مصلّی گر گیا ہے آپ نے پھر بھی نہ دیکھا۔ پھر وہ شخص

Marfat.com

بھاگ کر آپ کے پاس گیا اور آپ کا بازو پکڑ کر روکا اور مصلّٰی دیا اور کہا کہ شیخ میں آپ کو پکارتا رہا ہوں آپ نے آواز ہی نہیں سنی۔ آپ نے فرمایا بھائی! میں کب اتنا بڑا درویش ہوں جو تم مجھے شیخ کہہ رہے ہو۔ تبھی تو میں رکا نہیں کیونکہ میں اپنے آپ کو شیخ خیال نہیں کرتا۔

مولانا حسام الدین رہتے تو پٹن (گجرات) میں تھے مگر ہر نماز کیلئے کھڑی کی مسجد میں حضرت محبوب الٰہی کے ساتھ دہلی (غیاث آباد) میں ادا فرماتے۔ یہ میلوں کی مسافت کا سمیٹنا عام بندے کی فہم سے بالا تھا۔ بہر حال اکثر اوقات لوگ حیران ضرور ہوا کرتے تھے مگر ان میں کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن پریشان حال شخص حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضرت! میں پٹن کا باشندہ ہوں چند ماہ پہلے ہیں سے آیا تھا اور جلدی واپس جانا چاہتا تھا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ میری بیٹی کی شادی اور شادی کے دن طے پا چکے ہیں۔ بیٹی میرے ساتھ ہے اول تو کوئی قافلہ پٹن جانے والا نہیں جس کے ہمراہ ہم پٹن جا سکیں۔ دوسرے ہم اتنی جلدی پٹن نہیں پہنچ سکتے کہ شادی کی تاریخ سے پہلے ہم پہنچ جائیں۔ آپ ہماری مشکل حل فرمائیں۔ میں بہت ہی پریشان ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پٹن سے مولانا حسام الدین اکثر تشریف لاتے رہے ہیں اگر آج بھی وہ آ گئے تو میں تم دونوں کو شادی کی تاریخ سے بہت پہلے پہنچوا دوں گا۔ اس شخص نے عرض کی کہ ایک شخص کے ساتھ حضرت میں کیسے جاؤں گا جب کہ جوان بیٹی کا ساتھ ہے۔ راستہ میں سو خطرات بھی ہوں گے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو۔ مولانا حسام الدین کے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ وہ شخص خاموش رہا۔ یہ باتیں اس کے فہم وادراک سے بالا تھیں۔ ظہر کی نماز کے بعد اس کو حضرت محبوب الٰہی نے حکم دیا کہ جا کر اپنی بیٹی کو یہاں لے آؤ۔ مولانا تشریف لا چکے ہیں۔ وہ شخص گیا اور اپنی بیٹی کو لے کر آ گیا۔

Marfat.com

حضرت نے مولانا حسام الدین کو فرمایا کہ اس شخص اور اس کی بیٹی کو پٹن لیتے جاؤ۔ مولانا نے عرض کی، پیرومرشد میں تو اپنے حال سے دوسروں کو واقف نہیں کرنا چاہتا ہوں مگر آپ کی مرضی افشا کرنے کی ہے تو میری کیا مجال؟ مولانا نے دونوں باپ بیٹی سے کہا کہ گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور جب میں کہوں تب گھوڑے کو چلنے کا اشارہ کریں۔ چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے آنکھیں کھول دینے کا حکم دیا تو اس شخص کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس کی مسافت سمٹ چکی تھی اور وہ پٹن میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے مولانا سے بات کرنا چاہی اور سپاس ادا کرنا چاہتا مگر مولانا وہاں موجود ہی نہ تھے۔ اس نے کسی طرح مولانا کا ٹھکانہ معلوم کر لیا مگر آپ نے اس شخص کو واقعہ کا کسی اور سے ذکر کرنے سے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا یہ تو حضرت محبوب الٰہی کے روحانی کمالات ہیں اسمیں میرا کوئی دخل نہیں۔

روحانی توجیہہ

میرے مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے اس قول ''کہ ہمیشہ اللہ پر بھروسہ اور توکل رکھیں'' کی روحانی توجیہہ کچھ یوں فرمائی ہے۔

صاحب مراقبہ جب پہلی سیڑھی سے قدم بڑھا کر دوسری سیڑھی پر قدم رکھتا ہے تو اس کے سامنے اس کا اصلی جسم جسم مثالی یا (Aura) آجاتا ہے۔ پہلی بات جو سالک کے ذہن میں وارد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ مٹی کے ذرات سے بنے ہوئے گوشت پوست کی حیثیت محض عارضی، فانی اور مفروضہ ہے۔ حقیقی حیثیت روشنیوں کا وہ جسم ہے جس نے گوشت پوست کے جسم کو سنبھالا ہوا ہے۔ اس وقت کیونکہ تخلیقی فارمولوں کے تحت وہ قانون بیان ہو رہا ہے جس قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرنے کی اجازت ہے۔ اس لیے یہاں روح (Aura) اور جسم مثالی کا فرق بیان کرنا ضروری ہے۔ مرنے کی حالت کو عام

Marfat.com

طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ۔۔۔روح نکل گئی مرنے کے بعد جس عالم میں آدمی منتقل ہوتا ہے اس کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ مرنے والا اپنے دوستوں اور عزیزوں کی روحوں کے پاس عالم اعراف میں چلا گیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اعراف میں آدمی کھانا بھی کھاتا ہے، پانی بھی پیتا ہے، سوتا جاگتا بھی ہے، وہاں اپنے رشتہ داروں سے ملتا بھی ہے، دکھ درد، سکون راحت اور اطمینان سے آشنا بھی ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مرنے والے آدمی کی روح نکل گئی ہے تو روح نکلنے سے مراد یہ ہوگی کہ اب آدمی نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے نہ محسوس کرسکتا ہے وغیرہ وغیرہ، ہم جس کو مرنا کہتے ہیں دراصل وہ ایسی حالت ہے جس کو ہم روشنی کے ہالے کا مٹی کے جسم سے رشتہ منقطع کر لینے کا نام دے سکتے ہیں۔ حضور قلندر بابا صاحب نے کتاب ''لوح وقلم'' میں اس بات کو بالوضاحت بیان کیا ہے، فرماتے ہیں۔ ''آدمی گرم وسرد سے محفوظ رہنے کیلئے اور اعضائے جسمانی کو تپش اور سرد لہروں سے بچانے کیلئے ایک لباس اختراع کرتا ہے، یہ لباس سوتی کپڑے کا ہوتا ہے۔ اونی کپڑے کا ہوتا ہے یا کسی بھی قسم کے بنے ہوئے دھاگوں کے تانے بانے سے مرکب یا بنا ہوا ہوتا ہے۔ جب تک یہ خود تخلیق کردہ لباس جسم کے اوپر محفوظ ہے اس وقت تک اس لباس مین حرکت رہتی ہے۔ جسم کے اوپر قمیض کی حرکت جسم کی حرکت کے تابع ہوتی ہے۔ اگر قمیض جسم کے اوپر ہے تو آستین ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ہلنے پر مجبور ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ہاتھ ہلے اور آستین نہ ہلے۔ اس طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ پہنی ہوئی قمیض کی آستین ہلے تو اس کے ساتھ بھی حرکت کرے ہمیشہ ہاتھ کی حرکت کے ساتھ قمیض کی آستین میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر جسم پر پہنی ہوئی اسی قمیض کو اتار کر زمین پر یا چارپائی پر ڈال دیا جائے اور اس قمیض سے کہا جائے کہ وہ حرکت کرے، چلے پھرے تو اس کے اندر ہرگز کوئی حرکت پیدا نہیں ہوگی۔ بابا صاحب قبلہ گوشت پوست کے جسم کو جسم مثالی کا

Marfat.com

لباس قرار دیتے ہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ کپڑے کی بنی ہوئی قمیض جسم کے اوپر ہوتی ہے اور جسم مثالی گوشت پوست کے اوپر ہوتا ہے۔ لباس اور گوشت پوست کے جسم کی حیثیت قائم کر کے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مرے ہوئے آدمی کا جسم یا لاش جب زمین پر پڑی ہوئی ہوتی ہے تو قمیض کی طرح اس کے اندر اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ آپ لاکھ کوشش کریں کہ یہ لاش اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے حرکت کرے یہ تمام کوشش بے کار اور بے سود ثابت ہوگی۔ اس لیے بے سود ثابت ہوتی ہے کہ جس جسم کا یہ لباس تھا اس جسم نے اسے اتار پھینکا ہے۔

عام حالات میں جب استغناء کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے اوپر کتنا توکل اور بھروسہ ہے۔ توکل اور بھروسہ کم وبیش ہر آدمی کی زندگی میں داخل ہے لیکن جب ہم توکل اور بھروسہ کی تعریف بیان کرتے ہیں تو ہمیں بجز اس کے کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری دوسری عبادات کی طرح بھروسہ اور توکل بھی دراصل لفظوں کا ایک خوش نما جال ہے۔ توکل اور بھروسہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے لیکن جب ہم فی العمل زندگی کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بات محض نعرہ اور غیر یقینی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ہر آدمی کی زندگی میں اس کا عمل دخل جاری وساری ہے۔ مثلاً ایک آدمی کسی فرم میں ملازمت کرتا ہے اس کے پیش نظر یہ بات رہتی ہے کہ فرم کا مالک یا سیٹھ ساہوکار اگر مجھ سے ناراض ہوگیا تو ملازمت سے برخاست کر دیا جاؤں گا۔ یا میری ترقی نہیں ہوگی یا ترقی تنزلی میں بدل جائے گی۔ ظاہر ہے یہ بات بھروسہ اور توکل کے سراسر خلاف ہے۔ اس کے برعکس ہم زندگی میں یہ بات بار بار دہراتے ہیں کہ اگر کوئی کام نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔ یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جب کسی کام کا نتیجہ اچھا مرتب ہوتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہماری عقل اور ہماری

Marfat.com

فراست وفہم سے مرتب ہوا ہے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے اوپر توکل اور بھروسہ محض مفروضہ ہے جس بندے کے اندر توکل اور بھروسہ پیدا نہیں ہوتا اور اس کے اندر استغناء بھی نہیں ہوتا۔ استغناء سے مراد یہ ہے کہ ضروریات زندگی گزارنے میں بندے کا اپنا ذاتی ارادہ یا اختیار شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اگر مرغی کھلاتا ہے اس میں خوش رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اگر چٹنی سے روٹی دیتا ہے اس میں بھی خوش رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کھدر کے کپڑے پہناتا ہے بندہ اس میں بھی خوش رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے ہر عمل اور حرکت کو اللہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ پہلے بندے کے اندر توکل اور بھروسہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ استغناء کے دائرے میں قدم رکھتا ہے۔ توکل اور بھروسہ دراصل ایک خاص تعلق ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان براہ راست قائم ہے اور جس بندے کا اللہ کے ساتھ یہ رابطہ قائم ہوجاتا ہے اس بندے کے اندر سے دنیا کا تمام لالچ نکل جاتا ہے۔ ایسا بندہ دوسرے تمام بندوں کی امداد اور تعاون سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور اس بندے کی حیثیت ایسی ہوجاتی ہے کہ جس حیثیت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اخلاص کی 5 آیتوں میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اخلاص میں پانچ حتمی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اخلاص میں اپنی ذات پر سے پردہ اٹھا دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کے اندر موجود ہیں یا جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ صفات مخلوق کے اندر موجود نہیں ہیں۔ سورہ اخلاص کی پانچ آیتیں ہمیں خالق اور مخلوق کا امتیاز سکھاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اے پیغمبر ﷺ! آپ فرمادیجئے اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے کسی سے احتیاج نہیں رکھتا۔ اللہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اللہ کسی کا باپ ہے، اللہ تعالیٰ کوئی خاندان بھی نہیں رکھتا۔''

Marfat.com

ان صفات کی روشنی میں جب ہم مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مخلوق کبھی ایک نہیں ہوتی۔ مخلوق ہمیشہ بکثرت ہوتی ہے۔ مخلوق زندگی کے اعمال وحرکات پورے کرنے پر کسی نہ کسی احتیاج کی پابند ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق کسی کی اولاد ہو۔ مخلوق کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ان پانچ صفات میں جب لاشعوری تفکر سے کام لیا جاتا ہے تو ہمیں ایک بات ایسی ملتی ہے کہ ہم ان صفات کو جو اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک صفت اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے اوپر وارد کرسکتے ہیں۔ مخلوق کیلئے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ وہ کثرت سے بے نیاز ہو۔ مخلوق اس بات پر بھی مجبور ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ اسی طرح مخلوق کا خاندان ہونا بھی ضروری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ پانچ صفات میں سے چار صفات میں مخلوق اپنا اختیار استعمال کرنے کیلئے بے بس اور مجبور ہے۔ صرف ایک ایجنسی ایسی ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی صفت کو اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے اوپر وار کرسکتی ہے اور وہ ہے، اللہ احتیاج سے ماوراء ہے۔ مخلوق کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دنیاوی تمام وسائل سے اپنی ضروریات اور احتیاج کو توڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر لے۔ یہی وابستگی توکل اور بھروسہ ہے۔ اگر بندے کے اندر مخلوق کے ساتھ احتیاجی عوامل کام کر رہے ہیں تو وہ توکل اور بھروسہ کے اعمال سے دور ہے۔ راہ سلوک کے مسافر کو سب سے پہلے اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ زندگی کے تمام تقاضے اور زندگی کی تمام حرکات وسکنات پیرومرشد کے تابع ہیں۔ زندگی کی حرکات وسکنات جب سالک پیرومرشد کے سپرد کردیتا ہے تو وہ اس کی تمام ضروریات کا کفیل بن جاتا ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح ایک دودھ پیتے بچے کے کفیل اس کے والدین ہوتے ہیں۔ ان بچوں کی کفالت زیر بحث آتی ہے جنہوں نے ابھی تک شعور کے دائرے میں قدم نہیں رکھا ہے۔ جب

Marfat.com

تک بچہ شعور کے دائرے میں داخل نہیں ہوتا والدین چوبیس گھنٹے اس کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔

لاتعداد ماورائی واقعات میں سے چند مزید واقعات کا دہرادینا اس لیے ضروری ہے کہ راہ سلوک کے مسافروں کے سامنے وہ تمام مراحل آجائیں جن مراحل سے گزر کر کوئی سالک استغناء کے دائرے میں قدم رکھتا ہے اور اس کے ذہن میں استغناء اور بے نیازی کا ایسا پیٹرن (Pattern) ترتیب پاجاتا ہے جس کی بنیاد پر سالک غیر اختیاری طور پر بھی اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔
ابھی ہم نے یہ بتایا ہے کہ یقین پیدا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی کو یقین کے عوامل سے اس طرح ردوبدل کر دیا جائے کہ یقین اس کی زندگی کا احاطہ کرے۔ ایسا احاطہ کے شعوری اختیار سے جاننے کے باوجود اس احاطہ یا اس دائرے سے قدم باہر نہ نکال سکے۔ یقین کی تعریف یہ ہے کہ پیدائش سے موت تک اور موت کے بعد کی زندگی میں اعراف، حشرونشر، حساب وکتاب، جنت ودوزخ اور اللہ تعالیٰ کی تجلی کا دیدار سب کا سب یقین کے اوپر قائم ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ آدمی کو سب سے پہلے اس بات کا یقین پیدا ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے وہ موجود ہے اس کے اندر عقل وشعور کام کرتا ہے۔ وہ ایک حد تک بااختیار ہے اور بڑی حد تک اس کے اوپر غیر اختیاری کیفیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً کوئی آدمی اپنے ارادے اور اختیار سے اگر سانس لینا شروع کر دے تو چند منٹ میں وہ ہانپ جائے گا۔ کوئی آدمی اپنے ارادے اور اختیار سے سانس نہ لینے کا عمل اختیار کرے تو بیمار ہوجائے گا۔ یا اس کے دماغ میں خون جم جائے گا۔ اسی طرح کوئی آدمی زندگی کے بنیادی تقاضے بھوک میں اپنا ذاتی اختیار استعمال نہیں کرتا عام زندگی میں بھوک لگتی ہے وہ کچھ کھالیتا ہے، پیاس لگتی ہے تو پانی پی لیتا ہے۔ یہی حالت آدمی کے اندر اس مشین کی ہے جو مشین مسلسل متواتر ہر لمحہ اور

Marfat.com

ہر آن چل رہی ہے۔ اس مشین کے کل پرزے اعضائے رئیسہ دل، پھیپھڑے، گردے، جگر، پتہ اور آنتوں کی حرکت مسلسل جاری ہے۔ 4ارب کی آبادی میں ایک آدمی ایسا نہیں ہے جو اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے اندر فٹ کی ہوئی مشین کو چلاتا ہو۔ مشین بالکل غیر اختیاری طور پر چل رہی ہے۔ اس مشین میں جو ایندھن استعمال ہوتا ہے اس پر بھی انسان کی کوئی دسترس نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب یہ مشین بند ہوجاتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت یا ترقی اسے چلا نہیں سکتی۔ یہ مشین قدرتی نظام کے تحت بتدریج بھی بند ہوجاتی ہے اور اک دم بھی بند ہوجاتی ہے۔ بتدریج بند ہونے کا نام بیماری رکھا جاتا ہے اور مشین کے ایک دم بند ہوجانے کو حرکت قلب بند ہوجانا یا ہارٹ فیل کہا جاتا ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ بیماری کا علاج اختیاری ہے۔ اگر بیماریوں کا علاج اختیاری ہے تو دنیا میں کوئی آدمی مرتا نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس زندگی کے بنیادی عوامل اور وہ تمام محرکات جن پر زندگی رواں دواں ہے انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اگر ہم بنیاد پر نظر ڈالیں تو زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب آدمی پیدا ہوتا ہے اور پیدائش پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ لاکھوں سال کے طویل عرصے میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہوا جو اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا ہو گیا ہو۔ پیدا ہونے والی ہر چیز پیدا ہونے والا ہر فرد ایک وقت متعینہ کیلئے اس دنیا میں آتا ہے اور جب وہ وقت پورا ہوجاتا ہے تو آدمی ایک سیکنڈ کیلئے بھی اس دنیا میں ٹھہر نہیں سکتا، مرجاتا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کے بارے میں زیادہ سوچ بچار تفکر یا ذہنی گہرائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر لمحہ، ہر آن، ہر منٹ، ہر سیکنڈ یہ صورت حال واقع ہو رہی ہے۔ مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے پیدا کرتا ہے۔ چاہتا ہے تو آدمی صحت مند پیدا ہوتا ہے نہیں چاہتا تو آدمی نشو ونما میں ایسا سقم واقع ہوجاتا ہے کہ اس کے اعضاء صحیح ہوتے ہیں نہ اس کا دماغ صحیح ہوتا ہے۔ اس کی نظر بھی صحیح کام نہیں

Marfat.com

کرتی۔ ہاتھ پیروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کو پکڑ نہیں سکتا۔ اپنی مرضی سے چل پھر نہیں سکتا۔ سائنس کتنی بھی ترقی کر لے پیدائشی اپاہج اور معذور بچوں کا علاج اس کے پاس نہیں ہے اور اس قسم کے معذور بچوں کو یہ کہہ کر رد کیا جاتا ہے کہ یہ پیدائشی مریض ہیں، یہاں بھی انسان کی بے بسی اور بے اختیاری اظہر من الشّمس ہے۔ سورج کی طرح عیاں ہے۔ قدرت جب بچوں کو پیدا کرتی ہے تو مختلف صورتوں میں پیدا کرتی ہے۔ قد کاٹھ مختلف ہوتا ہے۔ یہ نہیں دیکھا گیا کہ کوئی بنیادی طور پر کوتاہ قد آدمی 7 فٹ کا بن گیا ہو۔ ایسی بھی دنیا میں کوئی مثال نظر نہیں آتی کہ 7 فٹ کا آدمی گھٹ کر دو ڈھائی فٹ کا ہو گیا ہو۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ قد و قامت کے معاملے میں بھی آدمی بے اختیار ہے۔ اب مسئلہ ذہنی صلاحیت اور عقل و شعور کا آتا ہے۔ لوگوں میں جب ہم عقل و شعور کا موازنہ کرتے ہیں تو کوئی آدمی ہمیں زیادہ باصلاحیت ملتا ہے کوئی آدمی ہمیں کم صلاحیت والا ملتا ہے اور کوئی آدمی بالکل بے عقل ملتا ہے۔ سائنس خلاء میں چہل قدمی کا دعویٰ کرتی ہے لیکن ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ بے عقل آدمی کو عقل مند کر دیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مرضی سے عقل و شعور بخشتا ہے۔ آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ فکر و گہرائی عطا کرتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ فکر اور گہرائی پیدا کر دیتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی چیز ہے لیکن جب وہی فکر اور شعور اور گہرائی ان سے چھین لی جاتی ہے اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی کسی ایک طاقت کے پابند ہیں۔ وہ طاقت جس طرح چاہے چلاتی ہے اور جب چاہے ساکت کر دیتی ہے۔ مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاء نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ لوگ نادان ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہماری گرفت حالات کے اوپر ہے انسان اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق حالات میں ردوبدل کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ انسان ایک کھلونا ہے۔ حالات جس قسم کی چابی اس کھلونے میں بھر دیتے ہیں اسی

Marfat.com

طرح یہ کودتا ہے ناچتا ہے آوازیں نکالتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر فی الواقع حالات پر انسان کو دسترس حاصل ہوتی تو کوئی آدمی غریب نہ ہوتا۔

موت کے پنجے نے ان کی گردن مروڑ دی اور دنیا پر ان کا نام ونشان نہیں رہا۔ یہ شداد ونمرود اور فرعون کی مثالیں ایسی نہیں ہیں کہ جس کو ہم تاریخی باتیں کہہ کر گزر جائیں۔ تاریخ ہر زمانے میں خود کو دھراتی ہے۔ البتہ رنگ، روپ، نام اور شکل بدل جاتی ہے۔ ہمارے زمانے میں شہنشاہ ایران کی مثال سامنے ہے جس نے ڈھائی ہزار سال کی سالگرہ منائی۔ موت کے پنجے نے اس کو اس قدر بے بس اور ذلیل کر دیا کہ اس کیلئے اس کی سلطنت کی زمین بھی تنگ ہوگئی وہ دیار غیر میں مرگیا اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں تھا۔ اگر حالات انسان کے بس میں ہیں تو اتنا بڑا بادشاہ غریب الدیار نہیں ہوسکتا تھا یہ اور اس قسم کی بے شمار باتیں ہمارے ساتھ ہر روز پیش آتی رہتی ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم ان باتوں پر غور نہیں کرتے اور ان سب باتوں کو اتفاق کہہ کر گزر جاتے ہیں جبکہ کائنات میں اتفاق اور حادثہ کو ہرگز کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جو مربوط ہے۔ ہر نظام کی دوسرے نظام کے ساتھ وابستگی ہے۔ اس نظام میں نہ کہیں اتفاق ہے نہ کہیں حادثہ ہے نہ کوئی قدرتی مجبوری ہے۔ اللہ کا ایک نظام ہے اور اس نظام کو چلانے والے کارندے اللہ کے حکم اور اللہ کی مشعیت کے مطابق اسے چلا رہے ہیں۔ آدمی کیا ہے؟ کٹھ پتلی ہے۔۔۔ جس طرح کائنات کا نظام چلانے والے کارکن ڈوریوں کو حرکت دیتے ہیں آدمی چلتا رہتا ہے۔ ڈوریاں ہلنا بند ہوجاتی ہیں آدمی مرجاتا ہے۔ یہ باتیں اس لیے عرض کی گئی ہیں کہ میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ استغناء اس وقت تک کسی شخص کے اندر پیدا نہیں ہوسکتا جب تک اس کے یقین میں یہ بات راسخ نہ ہوجائے کہ ہر چیز من جانب اللہ ہے۔ جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس نظام میں کوئی چھوٹی سے

Marfat.com

چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شے اللہ کے بنائے ہوئے ایک مربوط نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر ایک ایسا (Pattern) بن جاتا ہے جس کا اصطلاحی نام استغناء ہے اس (Pattern) کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی کی عقل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ کسی چیز کے اوپر یقین کا کامل ہو جانا اسی وقت ممکن ہے جب وہ چیز یا عمل جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ کس طرح واقع ہو گی بغیر کسی ارادے اور اختیار اور وسائل کے پوری ہوتی رہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کمرے میں بیٹھا ہوا لوح وقلم کے صفحات دوبارہ لکھ رہا تھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ لاہور سے کچھ مہمان آ گئے۔ عام حالات میں چونکہ تھوڑی دیر کے بعد کھانے کا وقت تھا اس لیے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان مہمانوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب میں حیرت کے مقام پر سفر کر رہا تھا اور نہ صرف یہ کہ کوئی کھانے پینے کا انتظام نہیں تھا۔ لباس بھی مختصر ہو کر ایک لنگی اور ایک بنیان رہ گئی تھی۔ یہ ایک الگ داستان ہے کہ اس لباس میں گرمی، سردی اور برسات کس طرح گزری جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ہمت اور توفیق عطا کر دیتا ہے تو بڑی سے بڑی مشکلات اور پریشانیاں پلک جھپکتے گزر جاتی ہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ ذہن میں یہ بات آئی کہ پڑوس میں سے 5 روپے ادھار مانگ لیے جائیں اور ان روپوں سے خورد ونوش کا انتظام کر لیا جائے۔ خیال آیا کہ اگر 5 روپے دینے سے انکار کر دیا گیا تو بڑی شرمندگی ہوگی پھر خیال آیا کہ جھونپڑی والے ہوٹل سے کھانا ادھار لے لیا جائے۔ طبعیت نے اس بات کو بھی پسند نہیں کیا یہ سوچ کر خاموش ہو رہا کہ اللہ چاہے گا تو کھانے کا انتظام ہو جائے گا اور میں کمرے سے باہر آیا جیسے ہی دروازے سے قدم باہر نکالا چھت میں

Marfat.com

سے 5 روپے کا ایک نوٹ گرا۔ نوٹ اس قدر نیا تھا کہ زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ فرش پر جب ایک نوٹ نیا پڑا ہوا دیکھا تو نہ معلوم طریقے سے میرے اوپر دہشت طاری ہوگئی لیکن یکایک ذہن میں ایک آواز گونجی یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ نوٹ اٹھالیا گیا اور کھانے پینے کا بہ فراغت انتظام ہوگیا۔

وفات

آپ کا وصال ۳۵ے ھ میں ہوا اور آپ کو پٹن میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کا مزار آج بھی مرجع الخلوق کا باعث ہے اور کثیر تعداد میں لوگ آج بھی آپ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔

اقوال ارشادات

1۔ خلوت ایسی ہو کہ جملہ حاجات وخواہشات مالک کے کنٹرول میں رہیں۔

2۔ انعام سلطان سے بہتر ہے کہ اولیاء اللہ سے ایفائے عہد کرو۔

3۔ اپنی غرض کو زبان پر مت لاؤ۔

4۔ ذکر اور روزہ رکھا جائے۔

5۔ ہمیشہ اللہ پر بھروسہ اور توکل رکھیں۔

Marfat.com

145 سال قبل شائع ہونے والی کتاب آج بھی روحانی علوم میں دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات کے لئے مشعل معرفت کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ کے ارشادات اور ملفوظات کو حضرت گل حسن شاہ قادری نے جمع کیا اور اس کو کتابی شکل میں شائع کیا۔

تذکرہ غوثیہ

روحانی توجیہہ / فارسی ترجمہ

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی تحریروں کی مدد سے ان کے روحانی فرزند میاں مشتاق احمد عظیمی نے واقعات کی روحانی توجیہہ بیان کی ہے اور فارسی اشعار کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ کتاب کی اصل کو بھی اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے۔

مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور فون 7243541

برائے رابطہ: 158-مین بازار مزنگ لاہور پاکستان

Marfat.com

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"اللہ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر اللہ اس آنکھ کا ادراک بن جاتا ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"

سال بھر کی برکت والی راتوں اور عبادت کے دنوں کی نفلی عبادت کو مفصل انداز میں پیش کیا گیا ہے

اللہ کی تجلی

عبادت ہی عبادت

درود و سلام کے فضائل کے علاوہ قرآنی آیات کی دعاؤں کی فضیلت کو

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کے روحانی فرزند

میاں مشتاق احمد عظیمی نے تحریر کیا۔

آج ہی اپنے بک سٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں۔

مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور فون 7243541
برائے رابطہ: 158۔مین بازار مزنگ لاہور۔پاکستان

Marfat.com

مرشد کریم

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

کی نایاب تصنیف

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اُن کا پنجابی زبان میں ترجمہ کر کے

پنجابی بولنے، سننے اور لکھنے والوں کے لئے ایک سدا بہار تحفہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جلد اوّل)

(پنجابی)

یہ کتاب دنیا بھر کی یونیورسٹیز، لائبریریوں اور کالجوں میں مفت تقسیم کی جاتی ہے۔
اپنے ادارے کے سربراہ کا خط ارسال کر کے یہ کتاب مفت حاصل کریں۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی ایجوکیشنل ٹرسٹ رجسٹرڈ پاکستان
آہلو روڈ نزد کاہنہ نو (جامعہ عظیمیہ) لاہور

Marfat.com

ہماری زندگی میں، ہمارے معاشرے میں
اور ہمارے ماحول میں اعتدال اور توازن نہیں ہے
اس لئے ہم ناخوش رہتے ہیں اور جلدی جلدی بیمار ہو جاتے ہیں

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کے روحانی فرزند
میاں مشتاق احمد عظیمی نے ریفلکسولوجی
'رنگ و روشنی سے علاج' روحانی علاج' یونانی علاج'
ہومیوپیتھی اور اسم اعظم سے 175 بیماریوں
کا علاج بتایا ہے۔

بیماریوں کے پانچ جدید علاج

مؤلف: میاں مشتاق احمد عظیمی

آج ہی اپنے بک سٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں۔

مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور فون 7243541
برائے رابطہ: 158-مین بازار مزنگ لاہور-پاکستان

Marfat.com

ایک مرید کو اپنے مراد سے کس طرح روحانی فیض حاصل ہوتا ہے
اور اس فیض کو حاصل کرنے کے کیا آداب ہوتے ہیں ؟

اللہ کے دوست
حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی
کے روحانی فرزند میاں مشتاق احمد عظیمی
نے ان آداب کو اجاگر کیا ہے۔

آدابِ مریدین

ایک کتاب جو مریدین اور روحانی علوم
سیکھنے والوں کی راہنمائی کرتی ہے۔

آج ہی اپنے بک سٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں۔

مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور فون 7243541
برائے رابطہ : 158- مین بازار مزنگ لاہور۔ پاکستان

Marfat.com

یہ تیرے بندے
میاں مشتاق احمد عظیمی
مکتبہ عظیمیہ اردو بازار لاہور

Marfat.com